Title

زیرسرپرستی
عبدالستار

فہم وفکر

قومی زبان خصوصی اشاعت — مدیر کے قلم سے — 04

اصلاحی سلسلہ

فہمِ قرآن — شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم — 05
فہمِ حدیث — مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ — 06
آئینہ زندگی — حضرت مولانا عبدالستار حفظہٗ اللہ — 08

مضامین

زبان وبیان — شورش کاشمیریؒ — 10
آہ بے چاری اردو — ندیم تابانی — 12
یہ زباں ہماری ہے، ہم ہیں پاسباں اس کے — حذیفہ رفیق — 13
ترقی کاراز — فوزیہ خلیل — 14
امید کادیا — آسیہ عمران — 16
اردو۔۔۔اہلِ علم کی زبان — محمد کاشف تبسم — 18
ہماری قومی زبان اردو — حکیم شمیم احمد — 20
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں — اُمِّ بلال — 21

خواتین اسلام

بیگماتی زبان — ڈاکٹر الماس روحی — 22
دیسی مرغی — اہلیہ محمد فیصل — 25
میلہ — ثانیہ ساجد عیسانی — 26
الٹی گنگا — بنتِ عامر — 29
جوکی فیرنی — تائبہ رِدا — 32
یہ قوم اور اس کی زبان — صبا یونس قریشی — 34

باغیچہ اطفال

ننھے ادیب — 36
ساجھے کام — ڈاکٹر الماس روحی — 38
مکس چٹنی — جہانگیر عثمان — 39
بچوں کے فن پارے — 40
انعامات ہی انعامات — 41
موجِ تبسم — 43

بزم ادب

کاروانِ اردو — شاعر علی شاعر — 44
سارے جہاں میں اپنی ترجمان ہے اردو — جوہر عباد — 45
گلدستہ — ادارہ — 46
باتیں آپ کی — ادارہ — 49

اخبارالاسلام

خبرنامہ — ادارہ — 50

دینی اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

ماہنامہ
فہمِ دین
کراچی

جنوری 2018ء

مدیر	محمد خرم شہزاد
نائب مدیر	محمد کاشف تبسم
ناظم	خالد عبدالرشید
کمپوزنگ	مظفر بھٹو
نظرثانی	طارق محمود
تزئین وآرائش	نوید فرید

آراء وتجاویز کے لیے
0304-0125750 | 0333-4573885

ڈاک سے متعلق امور کے لیے
0323-3229313 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے
0314-2981344
marketing@fahmedeen.org

خط وکتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالہ کے اجراء کے لیے
26-C گراؤنڈ فلور، مین بیت کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابان جامی
بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

زرتعاون

فی شمارہ:	40 روپے
اندرون کراچی سالانہ (بذریعہ کوریئر):	520 روپے
بیرون کراچی سالانہ (بذریعہ جسٹری):	520 روپے
بیرون ملک بدل اشتراک	35 ڈالر

ناشر: فیصل زبیر | مطبع: واسع پرنٹرز | مقام اشاعت: دفتر فہم دین

قومی زبان خصوصی اشاعت

مدیر کے قلم سے

”اتنی بات تو پکی ہے کہ ہمیں اردو آتی ہے۔“

بہت سوں کو تو اس وجہ سے کہ اُن کی مادری زبان ہی اُردو ہے ' ورنہ قومی زبان تو ہم سب کی اردو ہے ہی۔اس بات کو ہم یوں بھی سوچ سکتے ہیں کہ اپنی عمومی بول چال میں تقریباً ہم سب ہی عام طور پر اردو بولتے ہیں 'اسی طرح جب ہم کسی بات کو سوچتے ہیں تو وہ افکار اور خیالات بھی ہمارے ذہن میں اردو زبان میں ہی آرہے ہوتے ہیں تو پھر باقی مسئلہ رہ کیا گیا؟ صرف اور صرف ”اردو لکھنے اور اردو پڑھنے کا“۔ اچھا جیسے انگریزی ہم نے لکھ لکھ اور پڑھ پڑھ کر سیکھی ہے تو یاد رکھیں اردو بھی ہمیں لکھنے اور پڑھنے سے ہی لکھنا پڑھنا آئے گی۔ اب سوال یہ ہے کہ

”اردو لکھنے اور پڑھنے کی ضرورت ہمیں کہاں کہاں پیش آتی ہے۔“

ایک تو یہ کہ یہ انٹرنیٹ کا دور ہے' جہاں زیادہ تر ویب سائٹس یا مواد انگریزی میں ہی دستیاب ہوتا ہے 'لیکن اس نگری میں بھی اپنا لوہا ہمیں خود ہی منوانا ہوگا۔ دیکھیں سرچ کے لیے ہماری اکثریت عام طور پر ”رومن اردو“ لکھتی ہے اور سرچ انجن اسے سمجھ کر ہمارا مطلوبہ مواد ہمیں تلاش کر کے دے دیتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ سستی ہماری طرف سے ہے 'جب وہ ”رومن اردو“ پر مطلوبہ مواد ڈھونڈ کر دے سکتا ہے تو پھر ”اردو رسم الخط“ میں بھی ہمارا مطلوبہ مواد ہمیں ضرور تلاش کر کے دے گا۔ ضرورت صرف ہمت کرنے اور بارش کا پہلا قطرہ بننے کی ہے 'پہلی کوشش تو ہماری یہ ہونی چاہیے کہ ہم اردو میں مواد ڈھونڈنا شروع کریں' دوسرا یہ کہ ہم نیٹ پر زیادہ سے زیادہ اردو ہی لکھا کریں اور تیسرا یہ کہ ہمیں اردو میں اپنی ویب سائٹس بنانی چاہییں۔آپ یقین کریں نیٹ کی دُنیا میں اردو الفاظ کا ذخیرہ خود بہ خود بڑھنا شروع ہو جائے گا اور ہماری نسل کو اُن مشکلات کا سامنا نہیں ہوگا' جن کا سامنا ابھی ہمیں کرنا پڑتا ہے یا کم سے کم جسے سوچ کر ہم اپنی قومی زبان سے دور ہوتے جارہے ہیں۔

قارئین! اگر تھوڑی دیر کے لیے ہم سب اپنا جائزہ لینے کی کوشش کریں تو اردو سے دوری کی وجہ شاید ”اردو کے مواقع کا کم ہونا“ کے بجائے زیادہ تر ذہنی مرعوبیت اور احساسِ کم تری ہی نکلے گی۔جب ہم نے کامیابی کو محنت اور ہمت کے بجائے دوسروں کی زبان سیکھنے میں سمجھ لیا۔ جب ہم نے انگریزی کو سرکاری زبان بنا کر اپنی آدھی ایسی قوم کو جاہل بنا ڈالا' جو اچھے انداز میں سوچ سمجھ سکتی ہے 'اچھے انداز میں اپنی قومی زبان بول سکتی ہے اور بہتر سے بہتر انداز میں ملک و قوم کی بھلائی کے کام سرانجام دے سکتی بھی ہے اور دے رہی بھی ہے لیکن ہمارے چند افراد کی ذہنی مرعوبیت نے انھیں صرف انگریزی سے ناواقف ہونے کی بناپر قومی دھارے سے کاٹ کر رکھ دیا۔ نظیر اکبر آبادی کی مشہورِ زمانہ نظم ہے ”آدمی نامہ“' اسی کی طرز پر انور مسعود نے پاکستانی قوم کی زبوں حالی کچھ اس انداز میں بیان کی ہے کہ :

ہر شخص کو زبانِ فرنگی کے باٹ (ترازو) سے
جو شخص تولتا ہے' سو ہے وہ بھی آدمی
افسر کو آج تک یہ خبر ہی نہیں ہوئی
اردو جو بولتا ہے' سو ہے وہ بھی آدمی

قارئین گرامی! سمجھنے کی بات صرف اتنی ہے کہ اردو محبتوں کی زبان ہے' حالات کیسے ہی آئیں' یہ صحت مند اور توانا رہنے والی زبان ہے' بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ غیروں کی ستم ظریفیاں جھیل کر بھی زندہ رہنے والی زبان ہے۔آپ دیکھیں دُنیا میں کتنی زبانیں بنی اور فنا ہوگئیں 'آج دُنیا میں نہ اُن کا وجود ہے' نہ اُن کے ماننے والوں کا' لیکن اس کے برعکس اگر آپ اردو زبان کو دیکھیں' اسے 1857ء میں جنگ غدر کا سامنا ہوا' مسلمانوں کو شکست ہوئی' ہماری قومی زبان اردو کو بہ یک جنبشِ قلم مسترد کر دیا گیا' لیکن یہ فنا نہیں ہوئی' پھر تحریک پاکستان میں روح اور جان ”پاکستان کا مطلب کیا۔۔۔ الا اللہ“ کے ساتھ ساتھ اسی اردو زبان نے ڈالی۔ یہ تشخص اور بقا کی تحریک تھی۔ پھر 1947 میں قیامِ پاکستان کے موقع پر اہلِ اردو کو پھر گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا گیا لیکن اللہ نے اس زبان کو فنا ہونے کے لیے بنایا ہی نہیں ہے۔

قارئین! اردو زبان کو آج غیروں سے زیادہ اپنوں کی ستم ظریفی کا سامنا ہے۔ماہ نامہ فہمِ دین نے اپنا یہ شمارہ ”قومی زبان۔۔۔ خصوصی اشاعت“ صرف اسی جذبے سے نکالا ہے کہ ہم ”ترقی کی دوڑ“ میں بھی ضرور شرکت کریں' اور ”خوب سے خوب تَر کی جستجو“ بھی ضرور کریں' لیکن اپنے مذہب اسلام' اپنے ملک پاکستان اور اپنی زبان اردو کو کبھی بھی اور کہیں بھی ہرگز نہ بھولیں اس لیے کہ

کرتی ہے یہ نمائندگی ملک و قوم کی
اقوامِ عالم میں ہمارا مان ہے اُردو

قارئین! ہم اپنے مقصد میں کس حد تک کام یاب ہوئے' اس کے لیے ہمیں آپ کی رائے کا انتظار رہے گا' کیوں کہ آپ ہمارے لیے بہت اہم ہیں۔

اخوکم فی اللہ
محمد خرم شہزاد

فہمِ قرآن

(آلِ عمران:66-71)

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

هٰٓاَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجۡتُمۡ فِيۡمَا لَـكُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوۡنَ فِيۡمَا لَـيۡسَ لَـكُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ‌ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ 66

ترجمہ: دیکھو! یہ تم ہی تو ہو' جنھوں نے ان معاملات میں اپنی سی بحث کر لی ہے' جن کا تمھیں کچھ نہ کچھ علم تھا۔اب ان معاملات میں کیوں بحث کرتے ہو' جن کا تمھیں سرے سے کوئی علم ہی نہیں ہے؟ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ 66

مَا كَانَ اِبۡرٰهِيۡمُ يَهُوۡدِيًّا وَّلَا نَصۡرَانِيًّا وَّلٰكِنۡ كَانَ حَنِيۡفًا مُّسۡلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ 67

ترجمہ: ابراہیم نہ یہودی تھے' نہ نصرانی' بل کہ وہ تو سیدھے سادے مسلمان تھے اور شرک کرنے والوں میں کبھی شامل نہیں ہوئے۔ 67

اِنَّ اَوۡلَى النَّاسِ بِاِبۡرٰهِيۡمَ لَـلَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُ وَهٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ‌ؕ وَاللّٰهُ وَلِىُّ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ 68

ترجمہ: ابراہیم کے ساتھ تعلق کے سب سے زیادہ حق دار وہ لوگ ہیں' جنھوں نے ان کی پیروی کی' نیز یہ نبی (آخر الزماں ﷺ) اور وہ لوگ ہیں جو (ان پر) ایمان لائے ہیں اور اللہ مومنوں کا کارساز ہے۔ 68

وَدَّتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَوۡ يُضِلُّوۡنَكُمۡ ؕ وَمَا يُضِلُّوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ 69

ترجمہ: (مسلمانو!) اہلِ کتاب کا ایک گروہ یہ چاہتا ہے کہ تم لوگوں کو گمراہ کر دے' حالاں کہ وہ اپنے سوا کسی اور کو گمراہ نہیں کر رہے' اگرچہ انھیں اس کا احساس نہیں ہے۔ 69

تشریح نمبر 1: یہودی کہا کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور عیسائی کہتے تھے کہ وہ عیسائی تھے۔ اوّل تو قرآنِ کریم نے فرمایا کہ یہ دونوں مذہب تورات اور انجیل کے نزول کے بعد وجود میں آئے' جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت پہلے گذر چکے تھے' لٰہذا یہ انتہائی احمقانہ بات ہے کہ انھیں یہودی یا عیسائی کہا جائے۔اس کے بعد قرآنِ کریم نے فرمایا کہ تمہارے وہ دلائل' جو کسی نہ کسی صحیح حقیقت پر مبنی تھے' تمہارے دعوؤں کو ثابت کرنے میں ناکام رہے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ بے بنیاد اور جاہلانہ بات کیسے تمہارے دعوے کو ثابت کر سکتی ہے' مثلاً تمھیں یہ معلوم تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے ہوئے تھے اور اس کی بنیاد پر تم نے ان کی خدائی کی دلیل پیش کر کے بحث کی' مگر کامیاب نہ ہو سکے' کیوں کہ بغیر باپ کے پیدا ہونا کسی کی خدائی کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ حضرت آدم علیہ السلام تو ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے تھے' مگر ان کو تم خدا یا خدا کا بیٹا نہیں مانتے؟ جب تمہاری وہ دلیلیں بھی کام نہ آسکیں' جو صحیح واقعے پر مبنی تھیں تو یہ سراسر جاہلانہ بات کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نصرانی یا یہودی تھے' کیسے تمہارے لیے کارآمد ہو سکتی ہے؟

يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنۡتُمۡ تَشۡهَدُوۡنَ 70

ترجمہ: اے اہلِ کتاب! اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو' حالاں کہ تم خود (ان کے مِن جانب اللہ ہونے کے) گواہ ہو؟ 70

يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَلۡبِسُوۡنَ الۡحَـقَّ بِالۡبَاطِلِ وَتَكۡتُمُوۡنَ الۡحَـقَّ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ۔ 71

ترجمہ: اے اہلِ کتاب! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں گڈمڈ کرتے ہو اور کیوں جان بوجھ کر حق بات کو چھپاتے ہو؟ 71

تشریح نمبر 2: یہاں آیتوں سے مراد تورات اور انجیل کی وہ آیتیں ہیں' جن میں رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کی خبر دی گئی تھی اور مطلب یہ ہے کہ ایک طرف تم تورات اور انجیل کے مِن جانب اللہ ہونے کی گواہی دیتے ہو اور دوسری طرف ان پیشنگوئیوں کے مصداق یعنی آنحضرت ﷺ کی رسالت کا انکار کرتے ہو' جو بالواسطہ آیتوں کا انکار ہے۔

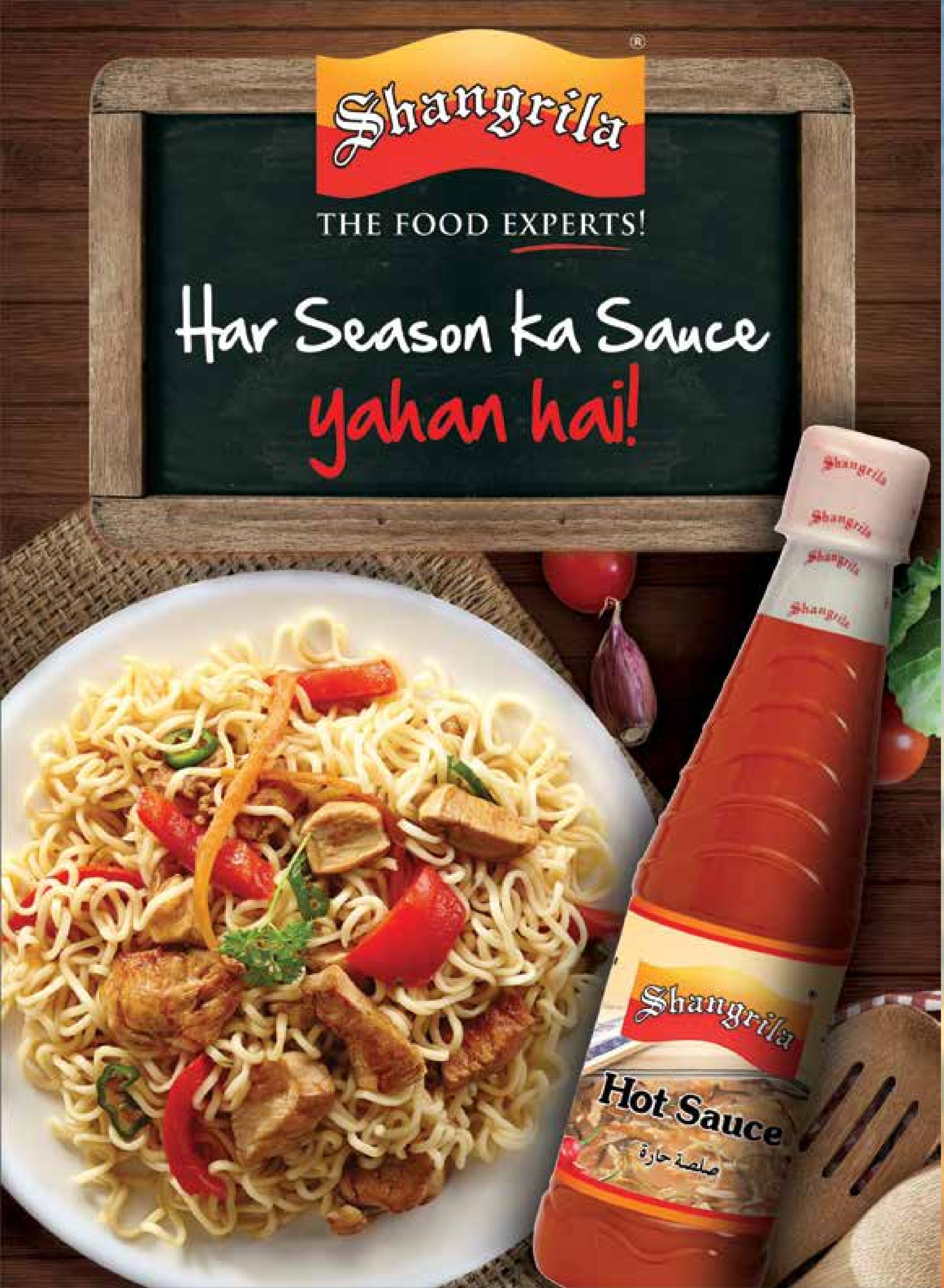

فہمِ حدیث

شعروشاعری

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ ذُكِرَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشِّعْرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ كَلَامٌ فَحَسَنُهٗ حَسَنٌ وَ قَبِيْحُهٗ قَبِيْحٌ

ترجمہ… حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے شعر کے بارے میں ذکر آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ شعر بھی کلام ہے۔اس میں جو اچھا ہے وہ اچھا ہے اور جو برا ہے وہ برا ہے۔ (سننِ دارِ قطنی)

عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِكْمَةً

ترجمہ… حضرت ابی ابنِ کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بعض شعر (اپنے مضمون کے لحاظ سے) سراسر حکمت کے ہوتے ہیں۔(صحیح بخاری)

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ كَلِمَةُ لَبِيْدٍ ”اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهُ بَاطِلٌ“

ترجمہ… حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے زیادہ سچی بات‘ جو کسی شاعر نے کہی ہے‘ وہ لبید بن ربیعہ شاعر کی یہ بات (یعنی یہ مصرع) ہے: ”اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهُ بَاطِلٌ“ (آگاہی ہو کہ اللہ کے سوا ہر چیز فانی ہے) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح… یہ لبید زمانۂ جاہلیت کا مشہور و مقبول شاعر تھا‘لیکن اس کی شاعری اس زمانہ میں بھی خدا پرستانہ اور پاکیزہ تھی۔رسول اللہ ﷺ نے اس مصرعہ: ”اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهُ بَاطِلٌ“ کو شعر کی دنیا کا سب سے سچا کلمہ ‘اس لیے فرمایا کہ یہ قرآن مجید کے اس ارشاد کا بالکل ہم معنی ہے۔”كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ“ اس کے ساتھ کا دوسرا مصرعہ یہ ہے ”وَكُلُّ شَيْءٍ لَا مَحَالَةَ زَائِلٌ“ (یعنی یہاں کی ہر نعمت ایک دن ختم ہو جانے والی ہے۔) یہ شعر لبید کے جس قصیدہ کا ہے‘ وہ انھوں نے اپنے دورِ جاہلیت ہی میں کہا تھا‘ پھر اللہ نے قبولِ اسلام کی توفیق عطا فرمائی۔روایات میں ہے کہ اسلام قبول کر لینے کے بعد شعر و شاعری کا مشغلہ بالکل چھوٹ گیا اور کہا کرتے تھے کہ ”يَكْفِيْنِي الْقُرْآنُ“ (بس اب قرآن کے لیے کافی ہے) اللہ تعالیٰ نے بہت طویل عمر بھی عطا فرمائی۔حافظ ابنِ حجر کے بیان میر کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں 156 سال کی عمر میں وفات پائی۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيْدِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَدِفْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ هَلْ مَعَكَ مِنْ شِعْرِ اُمَيَّةَ بْنِ الصَّلْتِ شَيْءٌ؟ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ هِيْهِ فَاَنْشَدْتُّهٗ بَيْتًا فَقَالَ هِيْهِ ثُمَّ اَنْشَدْتُّهٗ بَيْتًا فَقَالَ هِيْهِ ثُمَّ اَنْشَدْتُّهٗ مِائَةَ بَيْتٍ

ترجمہ… عمرو بن شرید اپنے والد شرید بن سوید ثقفی سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک دن (سفر میں) رسول اللہ ﷺ کے پیچھے آپ ﷺ ہی کی سواری پر سوار تھا‘آپ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: کیا تمہیں امیۃ بن الصلت کے کچھ شعر بھی یاد ہیں؟میں نے عرض کیا کہ ہاں ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: سناؤ! تو میں نے ایک بیت آپ ﷺ کو سنایا۔آپ ﷺ نے فرمایا: اور سناؤ۔میں نے ایک اور بیت سنایا۔آپ ﷺ نے پھر فرمایا اور سناؤ۔تو میں نے سو بیت سنائے (اور ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ امیہ اپنے اشعار میں اسلام سے بہت قریب ہو گیا تھا) (صحیح مسلم)

تشریح… امیۃ بن الصلت ثقفی بھی جاہلی شاعر تھا‘لیکن اس کی شاعری خدا پرستانہ تھی‘اسی لیے رسول اللہ ﷺ کو جیسا اس حدیث سے معلوم ہوا اس کے اشعار سے دلچسپی تھی اور آپ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا: ”لَقَدْ كَادَ يُسْلِمُ فِيْ شِعْرِهٖ۔“ (جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی شاعری میں اسلام سے بہت قریب ہو گیا تھا) اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک دفعہ امیۃ بن الصلت ثقفی کے اشعار سن کر فرمایا: ”اٰمَنَ شِعْرُهٗ وَكَفَرَ قَلْبُهٗ“ (اس کی شاعری مسلمان ہو گئی اور اس کا قلب کافر رہا) امیہ نے آپ ﷺ کا زمانہ پایا اور دین کی دعوت بھی پہنچی‘ مگر ایمان کی توفیق نہیں ہوئی۔

تعلیم باعثِ تعمیر ہے

حضرت مولانا عبدالستار مدظلہ

ایک کہانی ہم نے پڑھی 'ایک کتاب ""صفحات"" میں کہ ایک صاحب گلی میں کچھ تلاش کرتے ہوئے نظر آئے۔ کسی صاحب نے پوچھ لیا : کیا تلاش کر رہے ہیں؟ کہنے لگا : اشرفی گری ہے 'اسے تلاش کر رہا ہوں۔ بہت سارے بھلے مانس ان کے ساتھ مدد میں شریک ہوگئے۔ تلاش کرنے لگے۔ جب بہت دیر ہوگئی تو پوچھا : یہ اشرفی گری کہاں تھی؟ کہنے لگے : گری تو گھر میں تھی 'وہاں اندھیرا تھا' یہاں روشنی ہو رہی ہے 'اس لیے یہاں تلاش کر رہا ہوں۔ یہی کہا جائے گا 'اس کے بڑھاپے کی وجہ سے اس کی عقل سٹھیا گئی ہے۔ بڑھاپا اثر انداز ہے 'اس عمر میں ایسا ہو ہی جاتا ہے 'لیکن دنیا کے اسٹیج پہ یہی کہانی دہرائی جا رہی ہے۔ امن ' سکون 'اطمینان ' محبتیں 'زندگی کا باہمی اعتماد 'احسان 'ایثار ' سچی خیر خواہی یہ گم تو دل کے خانے میں ہوئی ہیں اور دنیا زندگی کے یہ سارے مزے مشینوں میں ' کارخانوں میں ' دکانوں میں ' جاگیروں میں تلاش کر رہی ہے۔

تو اس بوڑھے کے بارے میں تو ہم یہی کہیں گے کہ عقل سٹھیا گئی ہوگی ' مگر اپنے بارے میں کیا کہیں گے؟ یہی کہیں گے میاں ! ہمارا علم غلط ہو گیا ' ہمارا نظامِ تعلیم غلط ہو گیا۔ تعلیمی ماحول غلط ہو گیا ' سبق ہی غلط پڑھایا گیا۔ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا جب اس دل کو یہ سبق پڑھا دیا کہ خواہشات کی بالادستی کو قبول کرلے ' مفاد پرستی کی بالادستی کو قبول کرلے۔ جب اس دل کو سبق ہی یہی پڑھایا ہے کہ تُو نے خواہشات کی بالادستی قبول کرنی ہے 'اغراض اور خود غرضی کی بالادستی قبول کرنی ہے تو پھر وہ اپنے بھائی کو بھی تاجرانہ نظر سے دیکھے گا ' پھر بیٹا بھی باپ کو مفاد کی نظر سے دیکھے گا ' پھر شاگرد بھی استاد کو مفاد پرستی کی عینک میں دیکھے گا ' پھر وہ خلوص ' سچی محبت ' سچا ایثار ' سچی خیر خواہی 'مادّہ پرستی ' جس اندھیرے میں یہ دل ہے 'اُس مادّہ پرستی میں یہ نور کہاں سے ملے گا۔

نالاں ہونا بجا ہے کہ ادب نہیں کرتا۔ بیٹے کو باپ سے شکوہ بجا ہے کہ شفقت نہیں ملتی۔ استاد کو شاگرد سے یہ شکوہ بجا ہے کہ ادب و احترام کوئی نہیں۔ تاجروں سے یہ شکوہ بجا ہے کہ دیانت کوئی نہیں۔ عدالتوں سے یہ شکوہ بجا ہے کہ حق ' عدل اور انصاف کوئی نہیں۔ ارے میرے عزیزو...! ! جب تک اس علم سے ذہنیت نہیں بدلے گی ' یہ فساد بڑھتا ہی چلا جائے گا۔ ذہنیت علم سے بدلتی ہے يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ اللہ کہہ رہا ہے یہ علم ہی غلط ہے ' جہاں صرف مادّیت کا سبق پڑھایا جا رہا ہے۔ اگر یہ ہے تو تُو کامیاب انسان ہے تو پھر خود غرض ہی بنے گا ' مفاد پرست ہی بنے گا۔ ہر شخص کو نفع کی عینک سے دیکھے گا کہ اس شخص میں نفع ہے یا نہیں۔ ہر شخص سے ملنے سے پہلے یہ دیکھے گا کہ اس میں تاجرانہ فائدہ ہے یا نہیں۔ ہر جگہ یہ تاجرانہ ذہنیت کام کرے گی ' کہیں خلوص نہیں رہے گا۔ نہ بیوی اور شوہر میں ' نہ بیٹے اور باپ میں ' نہ بھائی اور بہن میں کہیں خلوص نہیں ' صرف تاجرانہ ذہنیت کام کرے گی 'اس لیے کہ جو اس نے پڑھا ہے ' جو اسے پڑھایا گیا ہے 'اس میں تھا ہی اس کا معبود ""مادّہ پرستی""اِسی کی پرستش کرنی ہے۔ اس کے دل نے اسی مادّہ پرستی کا اقتدار قبول کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اقتدار قبول ہی نہیں کیا۔

بڑی تحریکیں ' بڑا نظام ' ہر شخص اصلاح کی فکر میں چلتا ہے ' تبدیلی آجائے ' تبدیلی آجائے ' جن کے ضمیر مردہ ' جن کے دل مردہ ' جن کے دلوں کے اندر خود غرضی کی گندگیاں ' وہ تبدیلی لائیں گے؟ تبدیلی آئے گی جب تعلیمی ماحول بدلے گا۔ ""اِقْرَأْ بِسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ"" روئے زمین پر تبدیلی چاہی تو سب سے پہلے کہا : پڑھو! لیکن اس دل میں رب کی بالادستی قبول کرو۔ یہ دنیا 'اس کارخانے کا کوئی بنانے والا ہے۔ گھڑی کا بنانے والا ' وہی اس کے پُرزوں کے بارے میں صحیح جان سکتا ہے 'اس کی ہدایت کے مطابق چلو گے تو گھڑی کے پُرزے صحیح چلا سکتے ہو ' کوئی کتنا ہی فاضل کیوں نہ ہو ' ذہین کیوں نہ ہو ' فلسفی کیوں نہ ہو گھڑی کی کہانی وہ نہیں جانتا۔ تو اس کارخانۂ دنیا کا بنانے والا اللہ ہے۔ اگر اس کی ہدایت سے ہٹ کر اسے چلاؤ گے تو فساد برپا ہوگا۔ اس کا اقتدارِ اعلیٰ دل قبول کرلے کہ جو اس کا کہا ہوا ہے وہ ہی سچ ہے ' جو اس کا بتلایا ہے وہ ہی سچ ہے ' جو اس کا کہا ہے اسی میں نجات ہے ' جب تک علمی روح نہیں آئے گی تو تبدیلی کوئی نہیں آنی۔

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا بس ! مادّہ پرستی کا علم ہے ' تو جیسے وہ بوڑھا گم شدہ چیز کو باہر تلاش کر رہا ہے 'اس لیے کہ روشنی زیادہ ہے تو اسے ساری زندگی وہ چیز کوئی نہیں ملنی۔ ہمارے اندر بھی اندھیرا چھا چکا ہے۔ انسان سہولت پسند ہے 'اسے باہر روشنی نظر آئی تو یہ باہر نکل کھڑا ہوا۔ دل کے راستے میں تو چوں کہ اندھیرا ہے ' عقل تک پہنچنا آسان تھا سمجھا کہ چلو اسے معلومات خوب دے دو ' زندگی اچھی ہو جائے گی۔ معلومات کی کمی تو کوئی نہیں ' لیکن آپس کا اعتماد ' سچی اُخوت 'ایثار و ہمدردی 'احسان ' خیر خواہی یہ جذبہ تو دلوں میں پیدا ہوتا ہے اور جہاں اس نے عینک ہی مفاد پرستی کی لگا دی ہو ' ہر شخص کو مفاد کی نظر سے دیکھتا ہے 'اس میں نفع ہے یا نہیں 'اس میں میرے لیے فائدہ ہے یا نہیں 'اس سے میری غرض پوری ہو رہی ہے یا نہیں ہو رہی ' اَلْاَمَانَ وَالْحَفِيْظ۔ تو آج میرے نظامِ تعلیم میں ' میرے تعلیمی کلچر میں ' میرے تعلیمی نصاب میں ' میری دانش گاہوں میں یہ سبق ہے ہی کوئی نہیں۔ تبدیلی... تبدیلی... تبدیلی...! ! تبدیلی تو یہاں سے ہے کس کی بنیاد محمد رسول اللہ (ﷺ) نے رکھی۔ ہمارا مسئلہ علم نہیں ہے ' ہمارا مسئلہ تعلیم نہیں ہے ' بل کہ ہمارا مسئلہ تو علم اور تعلیم کا صحیح رخ پہ ہونا ہے ' صحیح ماحول میں ہونا ہے ' صحیح نظامِ تعلیم میں ہونا ہے۔ میرے عزیزو! ممکن ہے کہ قومی سطح پر ہماری آواز میں کوئی وزن نہ ہو ' لیکن اتنی تو فکر ہو کہ ہم اپنی اولادوں کو جہاں بھیج رہے ہیں 'اس کے مقابلہ میں ان کا کوئی متوازی ماحول بھی تو دے دیں ' تاکہ ان کے دل کی دنیا میں کچھ تو زندگی آجائے۔ کچھ ایسا ماحول تو انھیں دے دیں۔ اگر اُسی ماحول کے حوالے کر دیا تو اپنی اولادوں کو اپنے ہاتھوں سے کیوں قتل کرنے کے درپے ہیں کہ روحانی طور پہ انھیں ذبح کر دیا کہ ساری اسلامی تہذیب اور اقدار سے انھیں نفرت ہونے لگ گئی۔ اُن کے یہاں نیکی اور بدی کا فرق ہی مٹ جائے تو کم از کم یہ تو ہو سکتا ہے کہ جن ماحولوں میں ہمارے بچے جا رہے ہیں ' ہم ان سے درخواست کریں ' اتنی ہمت اور حوصلہ نہیں تو کم از کم اتنی فکر تو ہو کہ اس کا متوازی نظام تو ہو ' تاکہ اپنی اولادوں کو بچایا جا سکے اور اگر آپ نے اسے مفاد پرستی ہی کے حوالے کر دیا۔ مادیت ہی کے حوالے کر دیا ' پھر وہ نہیں جانتا ' اگر مادّہ پرستی میں اس کا باپ اس کے لیے رکاوٹ بنا تو وہ اس سے بھی نفرت کرے گا۔ ماں اس کے راستے میں کھڑی ہو گئی تو اس سے بھی نفرت کرے گا۔ اسے تو اپنی اغراض سے واسطہ ہے۔

اس اغراض میں جو مقابل آیا وہ دشمن ہے۔ کوئی نہیں چاہتا کہ میرا بیٹا خوشی کی زندگی گزارے ' کیوں...؟؟ اس لیے کہ اس کی اغراض میں فرق کیوں آرہا ہے۔ کوئی نہیں چاہتا کہ میرا باپ راحت اور سکون والی زندگی گزارے ' کیوں...؟؟ بیٹے کے مفاد پر حرج آرہا... اَلْاَمَانَ وَالْحَفِيْظ۔ خلوص نہیں ہے؟ اپنے خونی رشتوں کے اندر بھی کوئی کسی کو خوش ہوتا ' اچھی زندگی اختیار کرتا نہیں دیکھ سکتا۔ اغراض ہیں ' اغراض...! ! اور کہاں وہ دور تھا ' باپ ساری زندگی اپنی اولادوں کے لیے راحت پہنچایا کرتا تھا اور اولادیں اس فکر میں ہوتیں کہ ہم روکھی سوکھی کھالیں گے ' مگر اپنے ماں باپ کو تکلیف نہیں ہونے دیں گے۔ کیا خوبصورت زندگی کا منظر تھا ' لیکن وہ تو دل کی دنیا ہے نا ' جب سے وہ نہیں بدلے گی تو پھر خود غرضی وہ دکھائے گی ' جس کا یہ انسان ' انسانوں سے کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ جب یہ دل کی دنیا مادیت سے ہے ' تو اس کے اندر ظلمت اور اندھیرے آئیں گے ' تو یہ انسان حیوانوں کی اس سطح سے بھی گر جائے گا ' جو انسان نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوگا کہ بیٹا بھی اپنے باپ کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر سکتا ہے۔ بیٹا بھی اپنے باپ کی جان لے سکتا ہے۔ بیوی بھی جو اس کا رفیق ہے 'اس کی زندگی کا ساتھی ہے ' شوہر کی جان لے سکتی ہے۔ شوہر بھی کبھی اپنی رفیقۂ حیات پر یہ ظلم کر سکتا ہے۔ ہاں ! ! اغراض ' مفاد پرست سب کچھ کر سکتا ہے ' وہ جانوروں سے گرا ہوا ہے۔ خود غرض آدمی سب کچھ کر سکتا ہے۔ تو تبدیلی میرے عزیزو! تعلیمی ماحول سے ہے ' تعلیمی نظام سے ہے۔ اپنی اولادوں کی ' اپنی نسل کی فکر کیجیے...؟؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ معاملہ ہاتھ سے نکل جائے ' پھر سوائے رونے کے اور حسرت کے کچھ باقی نہ رہے۔ اب تک پانی سر سے نہیں گزرا ' بہت کچھ بچایا جا سکتا ہے۔ دینی حلقے موجود ہیں ' دینی آوازیں موجود ہیں ' دینی صحبت موجود ہے ' دینی تذکرے موجود ہیں ' دین کے سچے خیر خواہ اور داعی موجود ہیں ' اپنی اولادوں کو اس ماحول میں لائیے ' کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ان سے اتنے دور ہو جائیں کہ پھر آپ لانا بھی چاہیں تو وہ نہ آئیں۔

اللہ رب العزت اپنے دین کی صحیح سمجھ نصیب فرمادے اور اپنی اولاد کی صحیح نہج پہ تعلیم و تربیت کی اللہ ہمیں توفیق نصیب فرمادے۔ آمین

جانوروں کے بچوں کے خاص نام: جانوروں کے بچوں کو ہم بچہ ہی کہتے ہیں' سانپ کا بچہ 'بلی کا بچہ 'لیکن اردو میں ان کے لیے جدا جدا الفاظ ہیں جیسے :

- مرغی کا بچہ : چوزا
- ہرن کا بچہ : برنوٹا
- سؤر کا بچہ : گھٹیا
- بکری کا بچہ : میمنا
- بھیڑ کا بچہ : برّہ'
- اُلّو کا بچہ : پٹھا
- بلی کا بچہ : بلونگڑہ

جانداروں یا غیر جانداروں کے مجمع اور ہجوم کو بیان کرنے والے الفاظ

- طلبا کی جماعت
- رندوں کا حلقہ
- بھیڑوں کا گلّہ
- بکریوں کا ریوڑ
- گووں کا چونا
- مکھیوں کا جھلڑ
- تاروں کا جُھرمٹ
- آدمیوں کی بھیڑ
- جہازوں کا بیڑا
- ہاتھیوں کی ڈار
- کبوتروں کی ٹکڑی
- بانسوں کا جنگل
- درختوں کا جُھنڈ
- اناروں کا کنج
- بدمعاشوں کی ٹولی
- سواروں کا دستہ
- انگور کا گچھا
- ٹڈی کا دل
- کیلوں کی گہل
- ریشم کا لچھا
- مزدوروں کا جتھہ
- فوج کا پرّا
- روٹیوں کی تھئی
- لکڑیوں کا گٹھا
- کاغذوں کی گڈّی
- خطوں کا طومار
- بالوں کا گچھا
- پانوں کی ڈھولی
- کلابتوں کی کنجی

جانوروں کی آوازوں کو بیان کرنے والے الفاظ: اردو کی عظمت کا اندازہ اس سے کیجیے کہ ہر جانور کی صوت کے لیے علیحدہ لفظ ہے۔ مثلاً

- کوّا کائیں کائیں کرتا ہے
- گدھا ہیچوں ہیچوں کرتا ہے
- شیر دھاڑتا ہے
- ہاتھی چنگھاڑتا ہے
- گھوڑا ہنہناتا ہے
- بلی میاؤں میاؤں کرتی ہے
- گائے رانبھتی ہے
- سانڈ ڈکارتا ہے
- بکری ممیاتی ہے
- کوئل کوکتی ہے
- چڑیا چوں چوں کرتی ہے
- طوطا رٹ لگاتا ہے
- کتا بھونکتا ہے
- بندر کِھکھیاتا ہے
- جھینگر جھنگارتا ہے

زبان و بیان

شورش کاشمیری

- کبوتر غٹر غوں کرتا ہے
- مکھی بھنبھناتی ہے
- مرغی کڑکڑاتی ہے
- اُلّو ہوکتا ہے
- مور چنگھاڑتا ہے
- مرغا ککڑوں کوں کرتا ہے
- پرندے چہچہاتے ہیں
- سانپ پھنکارتا ہے
- گلہری چٹ چٹاتی ہے
- مینڈک ٹرّاتاہ

آوازوں کو بیان کرنے والے الفاظ

- بادل کی گرج
- بجلی کی کڑک
- ہوا کی سنسناہٹ
- توپ کی دنادن
- صراحی کی کٹ کٹ
- گھوڑے کی ٹاپ
- روپوں کی کھنک
- ریل کی گھڑ گھڑ
- طنبورے کی آس
- گھڑیال کی ٹن ٹن
- چھکڑے کی چوں
- چکّی کی گھُم

اشیا کی خصوصیت بیان کرنے والے الفاظ

- موتی کی آب
- کُندن کی دمک
- ہیرے کی ڈلک
- چاندنی کی چمک
- دھوپ کا تڑاقا
- بُو کی بھبک
- عطر کی لپٹ

کسی کی رہائش کو بیان کرنے والے الفاظ

- بارات کا محل
- بیگموں کا حرم
- رانیوں کا انواس
- پولیس کی بارش
- رشی کا آشرم صوفی کا حجرہ
- فقیر کی کُٹیا
- بھلے مانس کا گھر
- غریب کا جھونپڑا
- بھڑوں کا چھتّہ
- لومڑی کا بھٹ
- پرندوں کا گھونسلہ
- چوہے کی بِل
- سانپ کی بانی
- فوج کی چھاؤنی
- مویشی کا کھڑک
- گھوڑے کا تھان

اس طرز کے متعدد خصائص سے اردو زبان مالا مال ہے۔ اس کا دامن تمثیلوں اور کہاوتوں سے بھرا پڑا ہے۔ (از فنِ خطابت)

اردو بے چاری

ندیم تابانی

احتماعی زیادتی: اردو نے اس ظلم کا کب تصور کیا ہوگا کہ اس کو لکھا انگریزی میں، پڑھا اردو میں جائے گا اور اس لکھت کو نام اردو رومن کا دیا جائے گا۔ لیکن اس نے تصور کیا ہو یا نہ اس کے ساتھ یہ ظلم ہو رہا ہے، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ کروڑوں لوگ اردو کے ساتھ اجتماعی زیادتی میں مشغول ہیں تو غلط نہ ہوگا۔ اردو بے چاری اس پہ دو لفظ احتجاج کے بھی نہیں بول سکتی، اس لیے کہ جو اس کے رکھوالے اور نام لیوا ہیں، جو اس سے محبت کے دعوے دار ہیں وہ بھی اس اجتماعی زیادتی کے مرتکب ہیں۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ اس ظلم و زیادتی میں ان پڑھ کم، پڑھے لکھے زیادہ شریک ہیں۔ اس زیادتی کا سب سے دل چسپ پہلو یہ قرار دیا جا سکتا ہے کہ اس زیادتی کی بہت بڑی اکثریت اپنے اس عمل کو زیادتی اور ظلم سمجھ ہی نہیں رہی، گویا یہ ایک ایسا عمل ہے جو انجام تو جان بوجھ کر ہوش میں ہوتے ہوئے دیا جا رہا ہے لیکن کرنے والوں کی نیت زیادتی کی نہیں، بلکہ انھیں تو یہ احساس بھی نہیں کہ یہ زیادتی کے مترادف ہے اور اردو اس پہ آٹھوں پہر آنسو بہاتی ہے۔

ظلم کا پس منظر و آغاز: خیال کیا جا سکتا ہے کہ پہلے پہل یہ ظلم تب شروع ہوا، جب ہمارے ہاں انٹرنیٹ نے عوامی سطح پہ قدم رکھا، پھر جلد ہی موبائل کی بھی آمد ہو گئی اور ای میل کرنے، ایس ایم ایس بھیجنے کے لیے اردو لکھنے کی ضرورت ہر ایک کو پیش آنے لگی، اہل اردو نے اس کے انتظامات نہیں کر رکھے تھے ورنہ کمپیوٹر اور موبائل میں ان کا بھی کی بورڈ ہوتا، لے دے کر ایک پروگرام اردو لکھنے کا ''شاہ کار'' کے نام سے وجود میں آیا تو جو بعد میں ہمالہ اور پھر ان پیج میں تبدیل ہو گیا لیکن ہر ایک پاس نہ تو یہ موجود ہوتا ہے اور نہ ہی ہر ایک اس کا اہتمام کرتا ہے، اور وہ اردو پروگرام بھی اپنی ایک خاص گنجائش سے آگے نہیں بڑھ سکے، کمپیوٹر میں ہونے کے باوجود اس کی مدد سے ای میل کو منسلکہ (اٹیچ) فائل کے بنا بھیجنا ممکن نہ ہو سکا، کچھ مجبور لوگ عربی کی بورڈ اور عربی فونٹ استعمال کرنے لگے، جس سے اردو حروف تہجی کے بہت سے حروف لکھے ہی نہیں جا سکتے۔

یہ کیسی بے نیازی! اردو فونٹ ایجاد ہونے اور موبائل میں پہنچنے تک بلا مبالغہ کروڑوں لوگ موبائل استعمال کرنے لگے تھے۔ ان سب نے اپنے مسئلے کا حل رومن اردو کو سمجھ لیا تھا، اردو کی بورڈ آیا بھی تو وہ ایک بے نیازی سی برتنے لگے اور پھر بہت سے پڑھے لوگ رومن اردو یعنی انگریزی حروف تہجی کی مدد سے لکھنا تو آسان سمجھتے ہیں لیکن اردو کی بورڈ دستیاب ہونے کے باوجود انھیں اردو لکھنا آتا ہی نہیں۔ اول اول تو موبائل میں اردو میسج بھیجے بھی نہیں جا سکتے تھے، البتہ بعد میں کچھ موبائل تو اردو سمجھ لیتے اور اپنے مالک کو آنے والے میسج سے آگاہ بھی کر دیتے، لیکن کچھ اس میسج کو چھوٹے چھوٹے چوکور خانوں کی شکل میں بنا کر دکھاتے۔

غیروں کی سازش: اس رومن اردو نے جو اندھیر مچایا اس کے نتائج اتنے خطرناک نکلے کہ کچھ پبلشر حضرات نے رومن اردو میں کتابیں شائع کرنا شروع کر دیں، یعنی خود کو بدلنے، اپنے بچوں کی زبان دانی و زبان فہمی ٹھیک کرنے، انھیں اردو سے روشناس کرنے، اس کے لیے کوشش کرنے کی بجائے ان کے پیچھے چلنے لگے، ویسے ان پبلشر حضرات کا اپنا حال بھی خاصا پتلا ہے، ان کے گھر بھی اس بیماری میں مبتلا ہیں اور وہ نہ صرف اس پہ فخر کرتے ہیں بلکہ دوسروں کو اس راستے کا مسافر بنانے پہ تلے ہوئے ہیں۔ جو بیماری ان جانے میں، بے خبری میں لگ گئی تھی، جس کا علاج تب دریافت نہیں ہوا تھا، اب وہ اس بیماری کو منظّم طور پہ پھیلانے میں مصروف ہیں۔ اگر کچھ اہل علم و ادب اس کو اردو کے خلاف سازش سمجھنے لگے ہیں تو یہ سمجھنا کچھ غلط نہیں اور اس سمجھ کو بد گمانی نہیں کہنا چاہیے!

سوکن سا سلوک: اردو کے ساتھ ہم وہ سلوک کرتے ہیں جیسا کوئی عورت اپنی سوکن سے بھی نہیں کرتی، ویسے میسج اور چیٹنگ نے اردو تو کیا خود انگریزی کا بھی جنازہ نکال دیا ہے، لیکن اس پہ ہم اگلی کسی نشست میں کچھ عرض کریں گے، سر دست تو ایک درد مندانہ درخواست ہے کہ اینڈرائڈ موبائل میں بھی اردو کی بورڈ آسانی سے استعمال کیا جا سکتا ہے، عام موبائل خواہ کسی بھی کمپنی کے ہوں ا'ن میں بھی اردو لکھنے کی سہولت آ گئی ہے۔ اس لیے عام موبائل استعمال کر رہے ہوں یا اینڈرائڈ اردو کی بورڈ سے استفادہ کیجیے۔ اردو لکھیے، اردو، پڑھیے، اردو بولیے، اردو کو فروغ دیجیے! دنیا کی جن اقوام نے اپنی قومی زبان پہ فخر کیا، اس کو اختیار کیا، انھوں نے ترقی بھی کی، ہماری ترقی کی ضامن بھی ہماری زبان اردو ہے۔ کاش! ہم اس اردو کو اپنا سمجھیں اور اس کے بن سکیں!

زباں ہماری ہے

حنیف رفیق

زبان کا رسم الخط، قوموں کی شناخت ہوتا ہے۔ اس شناخت کے لیے قوموں نے اپنی جانیں تک دی ہیں۔ رہنماؤں نے قوموں کو اس شناخت کے کھونے سے ڈرایا ہے، چناں چہ سیّد سلیمان ندوی نے مارچ 1953ھ میں بنگلہ دیش کی عوام کو اس بات کی تاکید کی تھی کہ وہ اپنا رسم الخط جو کہ فارسی جیسا تھا۔ اس کو نہ چھوڑیں۔ ترکی میں یہ بہت بڑا المیہ تھا کہ اتاترک نے ترکی زبان کا رسم الخط بدل کر عوام کو یکسر آبائی ورثہ سے محروم کر دیا ہے۔ ملیشیا اور انڈونیشیا کے کچھ ساتھیوں نے بتایا کہ پہلے ہمارا رسم الخط بھی اردو کی طرح تھا، لیکن وہ بدل دیا گیا۔ اب ہمارے دادا وغیرہ تو کچھ کچھ سمجھ لیتے ہیں، لیکن ہم نہیں سمجھ سکتے۔ اس طرح اقوام کو ان کے آبا و اجداد کے اور پچھلی تمام نسلوں کے علمی سرمائے ہی سے نہیں، تمام تاریخ سے نا آشنا کر ڈالا۔ گویا نئی نسل کو جدت کے نام پر زندگی اور زمانے کی بالکل سنسان شاہراہ پر لا کھڑا کیا، جہاں نہ پچھلوں کی کوئی خبر، نہ بڑوں کی کوئی رہنمائی، نہ سرپرستوں کا دستِ شفقت، بل کہ گھپ اندھیرا ہے، صرف ان کے رحم و کرم پر ہیں، جنھوں نے مال و دولت اور حیا ہی نہیں، بلکہ ثقافت و تہذیب بھی چھین لی۔ یہ اقوام ... بالخصوص اہلِ ترکی اپنی زبان اور رسم الخط کے محبّ تھے۔ انھوں نے اپنے حریف کے مقابلہ میں پس و پیش کیا، ہاتھ پاؤں مارے، لیکن بالآخر مغلوب ہوئے۔

اب ہماری طرف آجایئے! خدا نخواستہ! اللہ نہ کرے! اگر ہماری زبان اردو کے رسم الخط کے بدلنے کی تحریک چل پڑی اور پھر سرکاری طور پر اس کی تائید بھی ہو گئی تو یقینا ہمارے یہاں بڑی تعداد میں ایسے مذہبی ادارے اور دیگر طبقے اور حضرات موجود ہیں، جو اس کی سخت مزاحمت کریں گے، لیکن کیا ہمارے درمیان بڑی تعداد میں ایسی عوام بھی موجود ہے، جو زبان کی اس خود کشی کو قبول کرنے سے انکار کر سکیں؟ اور اگر اللہ نہ کرے ایسا ہو گیا ... تو کیا قوم کا موجودہ اور آئندہ نسلوں کا بہت بڑا نقصان نہیں ہوگا؟ کیا یہ اپنے علمی، ثقافتی اور تہذیبی ورثہ سے بہت بڑی محرومی نہیں ہو گی؟ قابلِ احترام قارئین! میں ہمتوں کو پست کرنا نہیں چاہ رہا، لیکن جس آگ کے شعلے بھڑک چکے ہیں اور اس کے دھوئیں ہمارے وطن کے افق کو سیاہ کر رہے ہیں اور اس کی تپش سے ہمارے وجود کے علاوہ ہمارے گھر، ادارے، محکمے سب متاثر ہو رہے ہیں اور فضا اتنی آلودہ ہوتی جا رہی ہے کہ ہر سانس میں اس کی بو محسوس ہوتی ہے۔ اب اس کے خطرے سے خبر دار کرنا، یہ درد مند دل اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے۔ ہمیں کیا کرنا ہے...؟ ہم یہ عزم کر لیں کہ ہمیں اپنی قومی ثقافت اور ملّی تہذیب کے واسطے اپنی زبان کا تحفظ کرنا ہے اور اس کو ترقی دینی ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ ہماری خط و کتابت اور تحریریں سب اردو زبان اور ''اردو رسم الخط'' میں ہوں۔ اسی طرح موبائل فونز میں پیغامات ''اردو رسم الخط'' میں ہوں (نہ کہ رومن رسم الخط میں) یہ گھونٹ کڑوا ضرور ہے، لیکن ہمیں پینا ہوگا، یہ قدم بھاری ضرور ہے، لیکن ہمیں اٹھانا ہوگا، اگر ہم اپنی ثقافت (کلچر) کا تحفظ چاہتے ہیں...؟ اور یہ صرف ذہنی نظریہ اور زاویہ فکر بدلنے کا کام ہے، ورنہ موبائلوں میں عرب کے لیے عربی لکھنا، چینیوں کے لیے چینی لکھنا، تھائی کے لیے تھائی زبان لکھنا کوئی مشکل نہیں، حالاں کہ ان سب کا رسم الخط انگریزی سے یکسر مختلف ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انگریزی بولنا جرم ہے۔ بوقت ضرورت اور بقدرِ ضرورت انگریزی ضرور بولیں اور خوشی سے لکھیں، لیکن اردو کو انگریزی رسم الخط میں ڈھالنا، یہ ہماری قومی زبان کے ساتھ زیادتی ہے اور اس کی عظمت کو پامال کرنا ہے، لہٰذا اس سے ضرور گریز کریں۔ امید ہے کہ ایک افسردہ دل سے نکلی ہوئی یہ فریاد کسی قدر اثر ضرور دکھائے گی اور قوم کے نوجوانوں کو یہ پیغام دے سکے گی۔

یہ زُباں ہماری ہے... ہم ہیں پاسباں اِس کے!

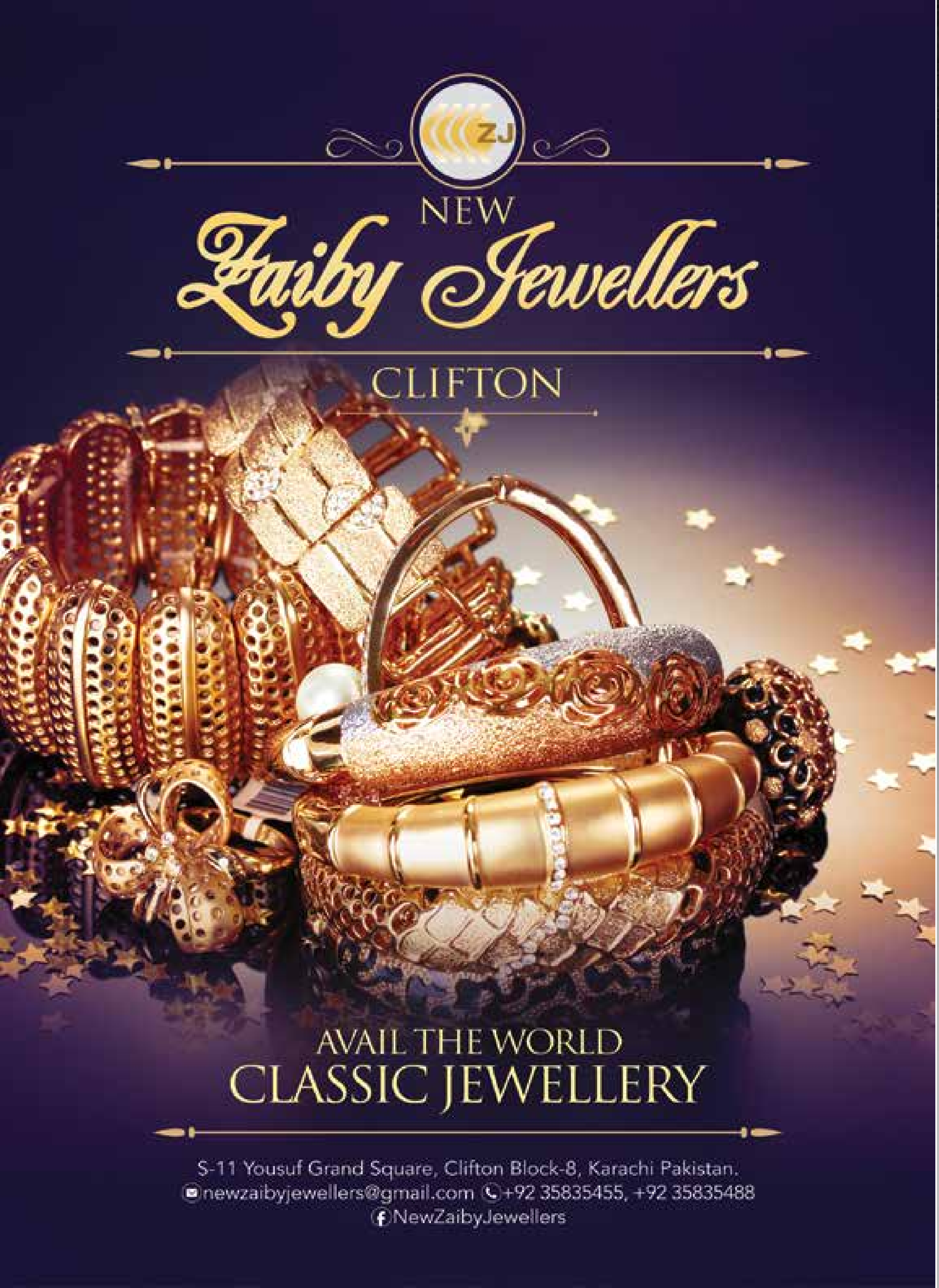

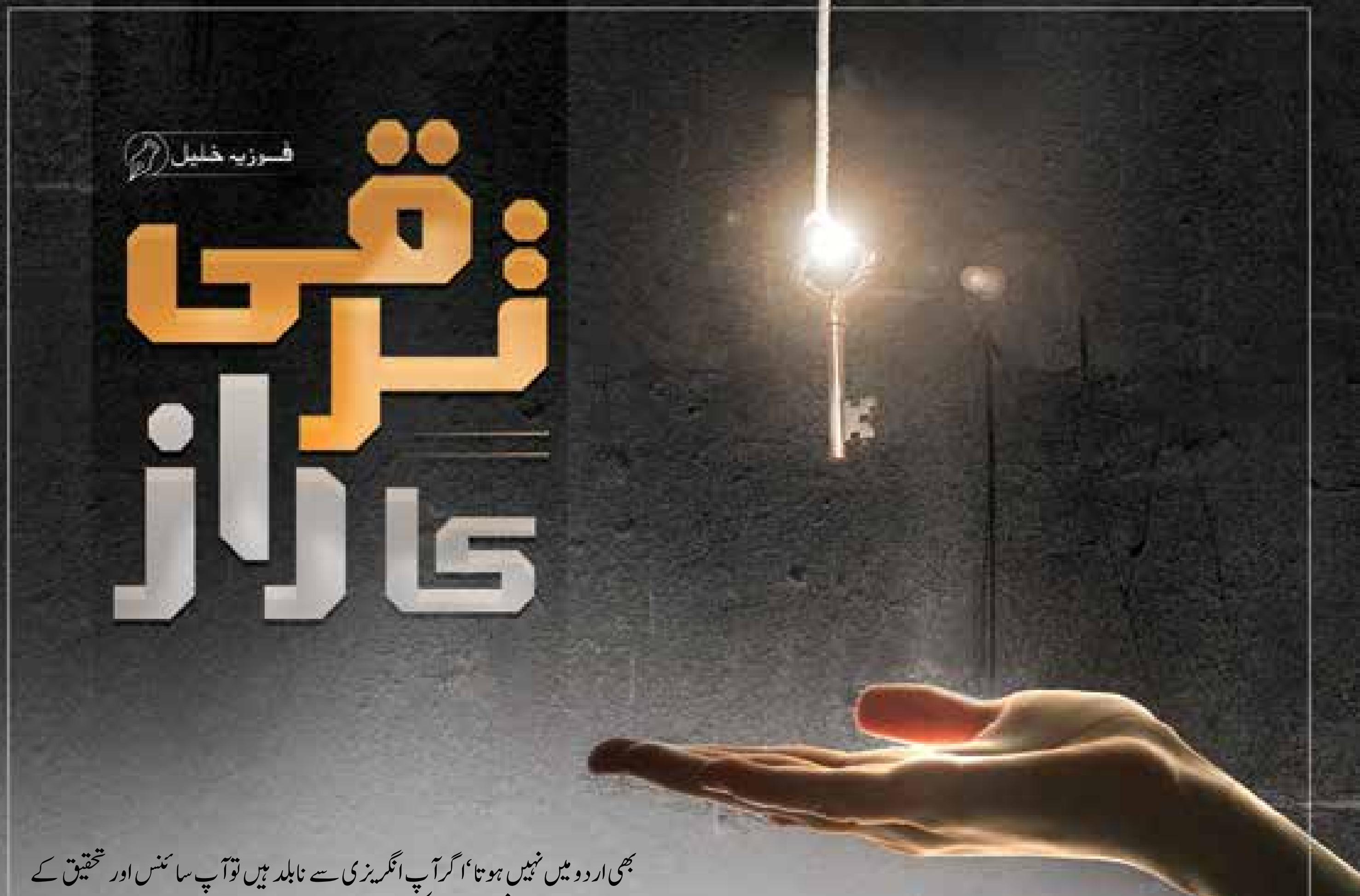

ترقی کا راز

فوزیہ خلیل

آج کل ہم اپنے اطراف اور ہر سمت میں یہی دیکھتے ہیں کہ اردو زبان کے بجائے انگریزی زبان کو بہت زیادہ فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ بچے رومن اردو لکھنا زیادہ پسند کرتے ہیں، اسی طرح سوشل میڈیا پر تبصرے اور مراسلے بھی رومن اردو میں بھیجے جا رہے ہیں۔ یہ رجحان انتہائی خطرناک ہے۔ اردو زبان ہمارے اسلامی اور دینی سرمائے کی امین ہے۔ اس کا اپنے ہی رسم الخط میں جو نکھار ہے، وہ رومن اردو میں نہیں آسکتا۔ متاثرینِ اسلام غیر محسوس طریقے سے اپنے حریف پر حملہ آور ہوتے ہیں، وہ بڑی چالاکی کے ساتھ اردو پر حملہ آور ہوئے ہیں اور اسلام اُن کا ہدف ہے۔ اگر انگریزی یا اردو میں رومن رسم الخط رواج پا جائے گا تو ہماری نئی نسل اپنے بزرگوں کی لکھی گئی اسلامی لٹریچر پر مبنی کتب پڑھنے سے محروم ہو جائے گی۔

کمال اتاترک کو تُرکوں کا باپ کہا جاتا ہے۔ انھوں نے ترکی زبان کے عربی رسم الخط کو رومن میں تبدیل کر دیا تھا، اس سے ان کا مقصد یہی تھا کہ نئی تُرک نسل اسلامی اقدار سے بالکل نابلد رہ جائے اور اتاترک کا یہ تجربہ خاصا کامیاب رہا تھا۔ اسی طرح غیر مسلموں نے انڈونیشیا اور ملائشیا میں بھی اس تجربے کو اپنایا تھا، وہاں اسلامی ادب تباہ ہو گیا تھا۔ انڈونیشیا میں خطِ جاوی میں لکھنے اور پڑھنے والوں کا کال پڑ گیا تھا، مگر پھر آزادی حاصل کرنے کے بعد، انھوں نے خطِ جاوی کو زندہ کیا۔ زندہ قومیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ رومن اردو یا انگریزی زبان کے تیزی سے رواج پانے کی کئی وجوہات ہیں۔ ہم کو سب ہی پر غور کرنا چاہیے۔

میں نے کراچی یونی ورسٹی سے کیمسٹری میں ماسٹرز کیا ہوا ہے۔ میرے کئی سال کراچی یونیورسٹی میں گزرے ہیں، یہاں پر اردو میں پڑھانا دور کی بات... اساتذہ اردو میں بات بھی کم کرتے ہیں۔ آپ کو کسی قسم کی کوئی کتاب، کوئی تحقیقاتی مقالہ، کوئی نوٹس کچھ بھی اردو میں نہیں ملتا۔ جتنی بھی سائنسی تحقیقات ہوتی ہیں یا مقالے لکھے جاتے ہیں کچھ بھی اردو میں نہیں ہوتا، اگر آپ انگریزی سے نابلد ہیں تو آپ سائنس اور تحقیق کے میدان میں آگے نہیں بڑھ سکتے۔ ہم زیادہ تر جن رائٹرز کو وہاں پڑھتے ہیں، ان میں سے بیشتر برطانیہ وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ تمام کتابیں اور نوٹس انگریزی میں ملتے ہیں۔ خود کراچی یونیورسٹی کے زیادہ تر پروفیسرز باہر سے فارغ التحصیل ہوتے ہیں، ان کے لیکچرز اور نوٹس سب ہی کچھ انگریزی میں ہوتا ہے۔

جامعہ کراچی میں کیمسٹری کی ایک عظیم الشان لائبریری ہے۔ یہ ایچ ای جے کے نام سے جانی جاتی ہے۔ یہاں پر آپ کو اردو میں لکھا گیا ایک پُرزہ بھی نہیں ملے گا۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہم اردو زبان کو فروغ دیں اور ساتھ ساتھ سائنس اور تحقیق کے میدان میں بھی پیچھے نہ رہیں تو اس کے لیے ہمیں بہت ہی تیار رہنا پڑے گا۔ جوں ہی مغرب میں کوئی نئی تحقیق ہو، کوئی نئی ایجاد ہو، کوئی نیا مقالہ لکھا جائے تو فی الفور اس کا اردو میں ترجمہ کر کے لائبریریوں میں رکھوا دیا جائے۔ مغرب میں ہمہ وقت تحقیقات ہو رہی ہیں۔ سائنس کے میدان میں وہ لوگ بھاگ رہے ہیں۔ ہمیں فوراً سے ان کے سائنس دانوں کی لکھی گئی ہر کتاب کا اردو ترجمہ کر کے اپنے طالب علموں کو مہیّا کرنا پڑے گا، جب ہی ہم ان کے ساتھ ساتھ چل سکتے ہیں، ورنہ ہم سائنس اور تحقیق کے میدان میں بہت پیچھے رہ جائیں گے۔

ہم کو بھی اپنی زبان کے معاملے میں کہنے کی حد تک نہیں، بلکہ عملی انسان بن کر دکھانا ہوگا۔ دنیا میں کچھ ترقی یافتہ ممالک انگریزی میں اپنی قوم کو تعلیم نہیں دیتے، بل کہ وہ تو مادری زبان میں تعلیم دیتے ہیں۔ اِن کا طریقۂ کار بھی یہی ہوتا ہے کہ جوں ہی یورپ میں کوئی نئی سائنسی تحقیق سامنے آئی، گھنٹوں میں اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے اور لائبریریوں میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ ہم کو بھی یہی رَوِش اپنانا ہوگی اور اسی میں ہماری ترقی کا راز پنہاں ہے۔

یاد رکھیے ! جو قومیں اپنی تاریخ و تمدن کو نہیں بھولتیں،
وہ آنے والی مشکلات پر قابو پا کر ترقی کی نئی راہیں ڈھونڈھ لیتی ہیں۔

امید کا دیا

آسیہ عمران

آپ ایمن کی مما ہیں؟ میں آپ سے خصوصی طور پر ملنے آئی ہوں۔'' ایک صوبر سی خاتون دروازے پر کھڑی بڑی اپنائیت سے مجھ سے مخاطب تھی۔

''محترمہ! آپ اندر آجائیے بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔'' میں نے مسکراتے ہوئے اسے اندر آنے کی دعوت دی۔

''میں آپ کی ہمت اور جرأت کو سلام کرتی ہوں۔ آپ نے جرأتِ ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہم والدین پر کتنا بڑا احسان کیا ہے' آپ سوچ بھی نہیں سکتیں۔ میں ان سب باتوں پر کڑھ رہی تھی' لیکن ڈر کی وجہ سے کبھی کہہ نہ سکی کہ کہیں میرے بچوں کو اسکول سے نکال نہ دیا جائے اور میرے شوہر کو ان کی جاب سے فارغ نہ کر دیا جائے۔'' وہ بیٹھتے ہی گویا ہوئیں۔

''میری شکایت کرنے پر تو بظاہر کوئی اثر نظر نہیں آیا' بل کہ سچ پوچھو تو میں افسوس کی کیفیت میں رہی ہوں کہ خواہ مخواہ اتنا کچھ کیا' جب کچھ درست نہیں ہونا تو فائدہ کیا۔ بچے بتا رہے تھے کہ اگلا پروگرام بھی ویسا ہی ہوا ہے۔'' میں نے کمزور سی آواز میں اپنا نکتۂ نظر بیان کیا۔

''آپ ایسا مت کہیں۔ آپ کی کوشش کا اثر کتنا ہوا ہے آپ سوچ بھی نہیں سکتیں۔ آپ جب جاتے ہوئے ایک ٹیچرز کو اپنے خیالات بتا رہی تھیں تو کئی لوگ آپ کے ارد گرد کھڑے تھے۔ آپ کے جانے کے بعد والدین کی گفتگو کا گویا موضوع ہی یہی بن گیا تھا۔ پھر آپ نے شکایت کو جب شکایت رجسٹر میں درج کیا تو وہاں مامور لوگوں نے اسے پڑھا اور پرنسپل تک پہنچنے سے پہلے ہی کئی لوگوں کی زبان بن گیا۔ یہاں تک کہ پرنسپل صاحب کو باقاعدہ میٹنگ بلانی پڑی اور ٹیچرز کو کئی نکات پر کام کرنے کو کہا گیا۔ اس کے بعد ہی کورس میں آفاق کی بُک کو شامل کرنے کا سوچا گیا۔ یہ عام بات نہیں بہت بڑی بات ہے۔''

اس خاتون کی بات نے مجھے حیرت زدہ کر دیا۔

''آپ اس قدر ان سب چیزوں سے کیسے واقف ہیں؟'' میرا سوال بے ساختہ تھا۔ ''جناب! میں ایک والدہ ہونے کے ساتھ ساتھ اسی اسکول میں ٹیچر بھی ہوں۔'' اب پاس بیٹھی اس خاتون کو گلے لگانا تو بنتا ہی تھا ناں!

❂

اسٹیج پر زرق و برق لباس پہنے ملکے میوزک پر حرکت کرتی ننھی بچیاں' لڑکوں اور لڑکیوں کی کلچر شو کے نام پر گانوں پر پرفارمنس' مخلوط ماحول اور ''نانی تیری مورنی کو مور لے گئے'' جیسی عجیب پیغام دیتی نظم پر پرائمری کے بچوں کا ٹیبلو' مہمانِ خصوصی کی آمد پر ویلکم سانگ اور اس پر عجیب انداز کی ایکٹنگ' مستقل ڈوبتی اُبھرتی موسیقی' دوپٹوں سے بے نیاز ٹیچرز' پرنسپل کا خطاب میں فخریہ انداز میں کہنا ''ہم بچوں اور بچیوں کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے پر خصوصی توجہ دے رہے ہیں۔''

پورے پروگرام میں جاہلیت کے ان لگاتار مظاہروں نے ایمن کی مما کے ہوش اڑا دیے۔ وہ متفکرانہ نگاہوں سے ارد گرد بچوں کے ساتھ بیٹھے والدین پر نظر دوڑانے لگیں۔ کہیں بھی تشویش کا شائبہ تک نہ تھا' بل کہ اسٹیج پر پرفارم کرتے بچوں کی جوش و خروش سے حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔ ان کا دل اس ماحول سے گھبرا سا گیا' وہ جلد از جلد وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھیں' لیکن ایسا ممکن نہ تھا' کیوں کہ ان کے دونوں پوزیشن ہولڈر بچوں کا رزلٹ اناؤنس ہونا باقی تھا۔ اب صرف ایک ہی صورت تھی' انھوں نے فوراً کاغذ قلم نکال لیا۔

محترم پرنسپل صاحب!

ہمارے نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ

تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ اس وقت آپ کے اسکول کے پرائز ڈسٹریبیوشن میں بیٹھی انتہائی دردمندی کے ساتھ آپ سے مخاطب ہونے کی جسارت کر رہی ہوں۔ محترم پاکستان وہ واحد خطۂ ارض ہے' جسے مدینے کے بعد اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا۔ لاکھوں انسانوں کے نزدیک پاکستان کا معنی اور مطلب ''لا الہ الا اللہ'' تھا اور ان کا سب کچھ جان' مال' عزت' آبرو سب اسی کلمہ پر قربان ہوا۔ لاکھوں لوگوں نے سب کچھ قربان کرنے کے بعد اس پاک سرزمین پر پیشانی ٹیکتے ہوئے صرف اور صرف ایک خواب دیکھا اور وہ تھا ''اللہ کی زمین پر اللہ کے نظام کے نفاذ کا خواب'' اسے اس خواب کی تکمیل کرتے ہوئے ملت کی امنگوں کا ترجمان بننا تھا۔ افسوس صد افسوس... ہم نے وہ مقصد بھلا دیا اور صرف بھلانے پر اکتفا نہیں کیا' بل کہ اس درخت کی جڑوں کو کاٹنا شعار بنا لیا۔ اس کے پھولوں اور کلیوں کو ''ناسور کی صورت'' دینے کا سامان کیا۔ ہم نے چند ٹکوں کے عوض غیروں کے ایجنڈوں کو اپنا ایجنڈا بنا لیا۔

پرنسپل محترم! آپ اس وقت ایک ادارے کے سربراہ ہیں۔ ہم نے اپنا قیمتی ترین سرمایہ' اپنی اولاد کی صورت میں آپ کے سپرد کیا ہے' تاکہ آپ ان کے دین و ایمان کو مضبوط کریں' بنیادی عقائد کو ان کے دل و ذہن میں بٹھائیں۔ ایمان داری' دیانت داری کا بیج بوئیں۔ ان کے اخلاق و کردار کی درستی کا سامان کریں۔ ان میں ملت کا درد اور وطن کی محبت پیدا کریں۔ انھیں اخوت اور اتحاد کی تعلیم دیں۔ انھیں نظریۂ پاکستان سے روشناس کرائیں۔ انھیں حق و باطل میں تمیز کرنا سکھائیں۔ انھیں بتائیں کہ یہ وطن خدا کی امانت ہے' اس امانت کا حق کیسے ادا ہو؟ اس کی انھیں تعلیم دیں۔ حلال و حرام سے آگاہی دیں۔ خوفِ خدا اور انسانیت کا درس دیں۔ بے حیائی اور فحاشی سے بچائیں۔ یاد رکھیے! آج کی ماں مغربی تہذیب سے خود کتنی ہی متاثر کیوں نہ ہو' اس تہذیب کو اپنے بچوں کے لیے خطرناک سمجھتی ہے۔ وہ انھیں دین سے برگشتہ اور اپنی اقدار سے انحراف کرتے نہیں دیکھنا چاہتی۔ وہ ان کے ایمان کو ہر صورت بچا لینا چاہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے گھر سے نکلنے پر قرآن کی سورتوں کا حصار بناتی رہتی ہے۔

میں بچے کی مسلمان ماں ہونے کے ناطے آپ سے سوال کرتی ہوں کہ کیا صلاحیتوں کے اظہار کی صرف ایک ہی صورت باقی رہ گئی ہے کہ بچے مراثیوں کی طرح ناچیں اور گائیں' مخلوط محافل سجائیں۔ فطری شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر بے باکی کا مظاہرہ کریں' جب کہ خالقِ کائنات نے نگاہوں تک کی حفاظت کا حکم دیا ہے۔ حدیثِ نبوی ہے ''جب تجھ میں حیا نہ ہو تو جو جی چاہے کر۔'' آپ نے سورۃ نور اور سورۃ احزاب کو تو پڑھا ہی ہوگا اور اللہ کے احکام کو تو جانتے ہی ہوں گے' تو براہِ مہربانی ان سورتوں کو دوبارہ پڑھ لیں۔

جنابِ والا! اگر تعلیمی ادارے تہذیب و تمدن اور اپنی اقدار سے ہٹنے کی روش اختیار کر لیں' جدیدیت کے نام پر قدیم جاہلیت کے پرچار پر آمادہ ہوں تو پھر انھیں اپنا نام تبدیل کر لینا چاہیے کہ کم از کم تعلیمی تقدّس تو پامال نہ ہو۔ ان اداروں میں تو قرآن کے مطلوب افراد تیار ہونے چاہییں کہ جن میں حمایتِ حق کی ناقابلِ تسخیر روح بسیرا کر جائے۔ جو ظلم و زیادتی' کرپشن' بے حیائی' بے دینی کو قبول کرنے کی کمزوری میں مبتلا نہ ہوں کہ قوم جب حفاظتِ حق کے جذبے کو کھو بیٹھتی ہے تو ضعفِ ایمان کا شکار ہو جاتی ہے اور پھر اگلے قدم پر عزت و شرف کے تمام احساسات گنوا بیٹھتی ہے اور ایسی صورت میں اس کا حق پر قائم رہنا ناممکن ہوتا ہے' تب وہ مخالف قوتوں کی گود میں جا گرتی ہے۔ نتیجے میں اپنے شعائر' آداب' قوانین' دینی و اخلاقی اصولوں پر سمجھوتا کرتے ہوئے عملاً باطل کی آماجگاہ ثابت ہوتی ہے۔ اس وقت نماز' روزے' حج اور زکوٰۃ کے ساتھ ہی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ آئندہ نسلوں کو تباہی کے گڑھے میں گرنے سے بچانے کی مؤثر تدبیر کی جائے۔

آپ اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں خدارا!... ہماری نسلوں کی حفاظت کا بندوبست کریں خدارا

''احمد کا نام کلچرل ڈانس میں حصہ لینے والوں میں شامل ہے۔ آپ کو اسے پریکٹس کے لیے بھیجنا ہوگا۔''

''میں سمجھی نہیں؟'' احمد کی پھپھو نے دونوں ہاتھوں سے سر تھامتے ہوئے کہا ''ڈانس اور ہمارا کلچر...؟ محترمہ! ہمارے کلچر میں ڈانس جیسی بے ہودہ حرکات کی گنجائش نہیں۔ ہم الحمد للہ! مسلمان ہیں۔ ہمارا دین ایک مکمل دین ہے' جس نے کسی بھی چیز کو نہیں چھوڑا' واش روم میں جانے تک کا طریقہ بتا دیا۔ ہمیں دشمنوں کی چیزوں کی قطعاً ضرورت نہیں۔'' پھپھو نے نرمی سے کہا۔

''آپ پلیز خاموش ہو جائیں۔ میں احمد کا نام کلچرل ڈانس سے نکال رہی ہوں۔'' ٹیچر نے تلخی سے کہہ کر رخ دوسرے والدین کی طرف کیا۔

''محترمہ! میرا بچہ صرف احمد نہیں۔ میری قوم کے سارے بچے میرے بچے ہیں۔ ان کی اقدار اور حیا کی حفاظت بھی میری ذمہ داری ہے۔'' احمد کی پھپھو نے باآواز بلند کہتے ہوئے ارد گرد کھڑے والدین کو دیکھا اور واپس پلٹ گئیں کہ انھیں اسی اسکول کے دوسرے حصے میں اپنے پوزیشن ہولڈر بچوں کے پرائز ڈسٹریبیوشن پروگرام کو اٹینڈ کرنا تھا۔

Your Friend In Real Estate

جُنیدامِین

الحمدللہ پورے اطمینان اور بھروسے کے ساتھ
بحریہ ٹاؤن، ڈی۔ایچ۔اے سٹی اور ڈیفنس کراچی میں
محفوظ اور منافع بخش سرمایہ کاری۔
معلومات اور مشورے کے لیے

جُنیدامِین

BAHRIA TOWN

DHA CITY

نزد مسجد بیت السلام، خیابان جامی، فیز 4، ڈیفنس، کراچی

021-35313254 - 0300-9213373

junaidameen@live.com

اردو اہلِ علم کی زبان

محمد کاشف تبسم

یہ زبان، اہلِ علم کی زبان ہے۔اہلِ شرافت کے لہجوں کی مٹھاس اور شیرینی اس کے رگ وپے میں سرایت کرچکی ہے۔یہ زبان اتحاد و اتفاق کی بہترین شاہ راہ ہے، جہاں قومیت و لسانیت کا تعصب ختم ہوتا نظر آتا ہے، پھر یہ کیسی شان دار لشکری زبان ہے، جس کے متعلق برصغیر کی ہر قوم فخر سے کہتی نظر آتی ہے، کہ فلاں فلاں الفاظ، جملے، ضرب الامثال وغیرہ ہماری ہی زبان سے اردو نے اپنے دامن میں سمیٹے ہیں۔بہت سی زبانوں سے مل کر مہکنے والی اردو (بقول شورش کاشمیریؒ کے) یہ اپنے اندر کائنات کے سما جانے کا حوصلہ رکھتی ہے۔

یاد رکھیے...!! اردو زبان آج ہمارے خطّے کا بہترین ہتھیار ہے۔اہلِ علم اسے اپنا کر بہترین اخلاق اور تربیت سے نونہالانِ قوم کو سنوار سکتے ہیں اور اگر خدا نخواستہ اردو زبان کا یہ ہتھیار گمراہی، بے حیائی اور فحاشی کے سرغنوں کے ہاتھ رہا، جیسا کہ اسے (فحش ڈراموں، فلموں، ناولوں اور نام نہاد اسکالرز کے دینی پروگراموں میں) وہ ادبی ہتھیار استعمال کر رہے تو پھر ادب کی میٹھی چھری سے ہماری قومی و دینی غیرت اور ایمانی جذبوں کو ذبح کیا جاتا رہے گا۔آج مدارسِ دینیہ میں انگریزی پڑھانے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔یہ ایک اچھا اور خوش آئند اقدام ہے، مگر ہمارے اسکول و کالجز اور یونیورسٹیز خصوصاً سائنسی ٹیکنالوجی کے شعبوں میں اردو کی اس سے کہیں زیادہ ضرورت بڑھ چکی ہے اور افسوس کے اس طرف کوئی خاص توجہ نہیں...ہر ادارہ اپنے انگلش میڈیم ہونے پر نازاں ہے۔نجانے قومی غیرت کو یوں رسوا کر کے ہمیں کیوں خوشی محسوس ہونے لگتی ہے۔جو لوگ انگریزی پر فخر کرتے ہیں اور اردو بولنے پر قہقہے لگاتے ہیں۔اے کاش...!! یہ انگریزی بولنے پر شرمانے لگتے اور اردو نہ آنے پر کچھ احساسِ کم تری کا شکار ہو جاتے۔

بہر حال یہ اردو ہماری تعلیمی اداروں کی بدولت ترقی کا سفر آسانی سے طے کر سکتی ہے۔ہندوستان میں سب سے پہلے اردو زبان کو وسیع پیمانے پر ایک تعلیمی زبان کے طور پر رائج کرنے اور متعارف کرانے کا سہرا دارالعلوم دیوبند کے سر ہے۔تاریخِ دارالعلوم دیوبند کی یہ عبارت ملاحظہ ہو: ”دارلعلوم دیوبند میں استاد کی تقریر و تعلیم اردو میں ہوتی ہے، جو پورے ہندوستان میں بولی اور سمجھی جاتی ہے، البتہ جو طلبا اردو نہیں سمجھتے، ان کو دوسری زبانوں میں سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے، تاآنکہ وہ اردو سمجھنے کے قابل ہو جائیں۔علوم وفنون کی تعلیم میں مادری زبان کو جو اہمیت حاصل ہے، اس کو عصری نظامِ تعلیم میں بڑی مدّت کے بعد سمجھا جا سکا ہے۔یہ حقیقت ہے کہ علمی مسائل، جس آسانی سے مادری زبان میں سمجھ آتے ہیں اور حافظہ میں محفوظ رہتے ہیں، وہ دوسری زبانوں میں ممکن ہی نہیں ہے، مگر انگریزی اقتدار کے غلبے نے قوم کے دماغوں کو اس قدر متاثر اور مغلوب کر دیا تھا کہ وہ ایک عرصے تک اس حقیقت کا سراغ نہ پا سکی۔ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں مادری زبان میں تعلیم کی اہمیت کو سب سے پہلے جامعہ عثمانیہ حیدآباد دکّن اور جامعہ ملّیہ دہلی نے محسوس کیا اور اس پر عمل درآمد شروع کر دیا، جس میں دونوں جگہ نمایاں کامیابی حاصل ہوئی اور انھوں نے دوسری یونیورسٹیوں کے لیے ایک قابلِ تقلید مثال پیش کر دی اور اب تو ہندوستان کی یونیورسٹیوں کی جانب سے یہ مطالبہ عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ ذریعہ تعلیم مادری زبان قرار دی جائے۔بہر حال اس سلسلے میں اوّلیت کا سہرا دارالعلوم ہی کے سَر ہے۔دارلعلوم میں جس چیز کو سو سال پہلے سمجھ لیا گیا تھا، بیس ویں صدی کے ماہرینِ تعلیم بھی بالآخر اُسی نتیجے پر پہنچنے کے لیے مجبور ہوئے۔یہ تو اس مسئلے کا تعلیمی پہلو ہے، لیکن اس کے علاوہ اس کا ایک لسانی پہلو اردو کی ترقی و اشاعت کے حلقوں کی ابھی تک نظر نہیں گئی ہے، تاہم اس کے نتائج و ثمرات سے انکار نہیں کیا جا سکتا، وہ یہ ہے کہ دارالعلوم چوں کہ عالمِ اسلام کے مسلمانوں کی مرکزی درس گاہ ہے اور اس میں ہندوستان کے مختلف صوبوں کے علاوہ، مختلف ممالک کے طلبا تحصیلِ علم کی غرض سے آتے ہیں، وہ اپنے دورانِ قیام میں خاصی اردو سیکھ جاتے ہیں، چناں چہ چند سال کی بات ہے کہ ایک صاحب جنہوں نے مختلف ممالک کی سیاحت کی تھی، وہ جب دارالعلوم میں آئے تھے تو وہ کہتے تھے کہ: میں جب بخارا پہنچا جو وسطِ ایشیا کا مشہور مقام ہے تو وہاں ایک ایسے شخص سے میری ملاقات ہوئی جس نے مجھے ہندوستانی سمجھ کر ہمدردانہ لہجے میں اردو میں مجھ سے گفتگو کی۔مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ ہندوستان سے اسی قدر دور اتنی صاف اردو، اس کو کیوں کر آئی ہو گی؟ میری دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ ”یہ دارالعلوم کا فیضِ تعلیم ہے۔“ اور میں ہی نہیں، بل کہ یہاں کا علمی حلقہ بالعموم اردو سمجھتا اور بولتا ہے۔اس شخص نے نہایت اخلاق و محبت سے میرے ہندو ہونے کے باوجود مجھے اپنے یہاں مہمان ٹھہرایا اور میرے اعزاز میں ایک شاندار استقبالیہ دیا، جس کی خصوصیت میں کبھی نہ بھولوں گا کہ اس میں جس نے بھی تقریر کی، وہ میری خاطر سے اردو میں ہی کی۔غرض کہ اس طرح دارالعلوم نے اردو کے دائرے کو اپنے اپنے طلبا کے ذریعے سے دنیا کے تقریباً تمام ایشیائی ممالک تک وسیع کر دیا ہے!!“ (تاریخ دارالعلوم دیوبند)

حکیم شمیم احمد

ہماری قومی زبان اردو لشکری زبان کہلاتی ہے کیونکہ اس میں عربی‘ فارسی‘ ہندی اور سنسکرت کے الفاظ شامل ہیں اس لیے تمام صوبے کے لوگ اس کو آسانی سے سیکھ لیتے ہیں اور اپنا لیتے ہیں۔

زبان سیکھنے کا اہم مقصد اور مطمح نظر یہ ہے کہ اپنی بات اور مآخذ خوبصورت الفاظوں کے ذریعے دوسروں تک پہنچا دیا جائے۔ اردو ادب میں الفاظوں کا انتخاب ہی تو ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص تعلیم یافتہ ہے یا نابلد۔ اخلاق کی بلندیوں پر ہے یا پستی پر۔ شائستہ جملوں کی ادائیگی اور عمدہ اسلوب ہر ایک کو گھائل کر سکتا ہے اور اس کے برعکس ناشائستہ گفتگو دلوں کے ٹوٹنے اور جدائی کا سبب بن سکتی ہیں۔ شیریں زبان سے لوگوں کے دل جیتے جاسکتے ہیں اور تلخ کلامی سے لوگوں کے دل زخمی ہو جاتے ہیں۔ اردو ادب میں معنی خیز مقولے اور محاورے استعمال کیے جاتے ہیں۔ مثلاً

تلوار کا گھاؤ بھر جاتا ہے لیکن زبان کا گھاؤ نہیں بھرتا۔

اس سرزمین پر اللہ تعالیٰ نے کیسے کیسے سحر البیان مقرر پیدا کیے۔ ان کے روح پرور بیانات اردو میں ہی ہوا کرتے تھے اور ان کو سننے کے لیے لوگ طویل سفر طے کر کے پہنچتے۔ ان میں شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ‘ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ قابل ذکر ہیں ان علما کرام کے بیانات نے لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا کر دیا۔

قانون فطرت ہے کہ بچوں کو ابتدائی تعلیم اپنی قومی اور مادری زبان میں دلوائی جائے اس سے بچے کو بآسانی بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملے گا اور ان کے ذہن پر بوجھ بھی نہیں پڑے گا۔ آپ نے یہ مثل تو ضرور سنی ہوگی کہ ”کوّا چلا ہنس کی چال اور اپنی چال بھی بھول گیا“ معذرت کے ساتھ ہمارا بھی یہی حال ہے نہ ہمیں اپنی قومی زبان پر عبور حاصل ہے نہ انگریزی پر ”دھوبی کا کتّا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا“۔ اگر ہم اپنی تمام تر صلاحیتیں اپنی قومی زبان سیکھنے پر لگا دیتے تو آج نہ جانے کہاں سے کہاں جا پہنچتے۔

ہم بولنے میں کتنی غلطیاں کرتے ہیں جس کا ہمیں اندازہ تک نہیں ہوتا۔ ایک صاحبِ علم اردو اور عربی پر بھرپور عبور رکھتے ہیں۔ تاہم انھوں نے لکھا :

میں شرم کے مارے گھڑوں پانی میں ڈوب گیا۔

حضرت ! محاورہ یہ نہیں ہے اور گھڑوں میں ڈوبنا ممکن بھی نہیں۔ البتہ پانی سے بھرے ہوئے گڑھوں میں ڈوبنے کے کئی واقعات ملتے ہیں۔ خاص طور پر کراچی میں‘ جہاں بارش کے قدم قدم پر پانی سے بھرے ہوئے گڑھوں میں ڈوبنے کی سہولت فراہم کی گئی ہے۔ اصل محاورہ یہ ہے ”گھڑوں پانی پڑ جانا“ یعنی انتہائی شرمندہ ہونا جیسے ایک شاعر نے کہا ہے

تم کو نہیں یوں بھی غیرت آتی
پڑتا ہے گھڑوں مجھی پر پانی

ایسے لوگ چُلّو بھر پانی میں بھی ڈوب جاتے ہیں یا کم از کم یہ مشورہ ضرور دے دیا جاتا ہے کہ ”ذرا سی شرم ہو تو چُلّو بھر پانی میں ڈوب مرو“۔ چُلّو ہندی کا لفظ ہے۔ مذکورہ محاورہ غیرت دلانے کے لیے بولتے ہیں۔ اسی چُلّو کے اور بھی کئی استعمال ہیں مثلاً ”چُلّوؤں خون بڑھنا“ یعنی نہایت خوشی حاصل ہونا۔ چُلّوؤں لہو پینا‘ چُلّوؤں لہو خشک ہونا وغیرہ۔ ذوق کا ایک شعر ہے :

زاہد شراب پینے سے کافر ہوا میں کیوں
کیا ایک چُلّو بھر پانی میں ایمان بہہ گیا

”دِلَدَّر دور ہونا“ ایک محاورہ ہے۔ یہ دِلَدَّر ہندی کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے افلاس‘ محتاجی‘ تنگدستی‘ نحوست جیسے نوکری ہوتے ہی سارے دِلَدَّر دور ہو گئے۔

ایک مجموعی غلطی یہ ہو رہی ہے کہ ”دو جمع“ ایک ساتھ آرہی ہیں مثلاً بھیجیں گئیں‘ کرائیں گئیں‘ لائیں گئیں۔ اصول یہ ہے کہ جب گئیں آجائے تو اس سے پہلے لفظ واحد ہی کافی ہو گا۔

کئی الفاظ ایسے ہیں جو دوسری زبانوں میں جاکر معانی بدل جاتے ہیں۔ اس کی بڑی واضح مثال جلوس ہے۔ عربی میں اس کا مطلب ہے بیٹھنا۔ ہم لوگ جلوس میں بیٹھتے نہیں‘ چل پڑتے ہیں۔

ایک نیا لفظ مطالعہ میں آیا ”چھری کُندھ ہو چکی ہے“، ممکن ہے یہ کمپوزنگ کی غلطی ہو ورنہ بغیر ’ھ‘ کے بھی چھری کُند ہو جاتی ہے۔ اس سلسلے میں داغ دہلوی کا ایک شعر سن لیجئے۔

کچھ کچھ نگاہِ شرم میں تیزی بھی چاہیے
دل ہوگا ایسا کُند چھری سے حلال کیا

ذریعے میں ہمزہ نہیں آتا یعنی ”ذریعئے“ لکھنا غلط ہے۔ اسی طرح ”کیلئے“ لکھنا بھی غلط ہے۔ ’لیے‘ ’دیے‘ ’کیے‘ کے سر پر ہمزہ سجانا غلط ہے۔

اخبار کے اداریہ میں ایک صاحب لکھتے ہیں : ”ایک بندر شیر کی خدمت پر معمور تھا“ موصوف کو شاید ”مامور“ اور ”معمور“ کا فرق نہیں معلوم یا پھر بندروں کے لیے ”معمور“ ہی بہتر لگا ہو گا۔ بیشتر لکھنے والے ”جن“ اور ”جس“ کا استعمال غلط کرتے ہیں۔ جیسے ایک مضمون کا جملہ ہے ”سفید فام نسل جن کے آباؤ اجداد نے۔۔۔ نسل چونکہ واحد ہے اس لیے یہاں ”جس“ آنا چاہیے تھا ”جن“ جمع کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً ”سفید فام نسلیں جن کے آباؤ اجداد نے۔۔۔“

بہت عرصہ پہلے ایک کتاب ”الفاظ کی سرگزشت“ شائع ہوئی تھی۔ مصنف کا نام یاد نہیں۔ یہ کتاب اگر میسر آجائے تو طلباء کے لیے بہت مفید ثابت ہو گی۔

ایک مرتبہ میر تقی میر استاد محمد ابراہیم ذوق کے ساتھ اپنے مہمان خانہ میں بیٹھے ہوئے تھے اسی اثناء میں ایک نو عمر بچہ کمرے میں داخل ہوا اور میر تقی میر کے کان میں کچھ کہہ کر جانے لگا۔ ذوق نے بچے سے کہا کہ آئے بھی اور چل بھی دیئے۔ اس پر بچے نے برجستہ کہا ”اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے“ ذوق کو یہ طرز تکلم بہت پسند آیا اس موقع پر میر تقی میر نے اپنے استاد سے درخواست کی کہ اس کا دوسر مصرعہ ہونا چاہیے تاکہ شعر مکمل ہو جائے۔ ذوق صاحب نے ایک مصرعہ شامل کر کے شعر مکمل کیا۔

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

ڈاکٹر بشارت علی صاحب بین الاقوامی شخصیت کے مالک تھے۔ آپ ”عمرانیات“ میں پی‘ ایچ‘ ڈی تھے اور لیکچر دینے کے لیے بیرون ملک جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آکسفورڈ سے میونخ لیکچر دینے کے لیے تشریف لے جا رہے تھے۔ جہاز میں مسافروں سے انگریزی میں گفتگو ہو رہی تھی جونہی جہاز جرمن کی حدود میں داخل ہوا جرمنی کے مسافروں نے انہیں انگریزی میں بات کرنے سے سختی سے منع کر دیا۔ اسی طرح جب میونخ میں جرمنی زبان میں لیکچر دے رہے تھے تو انہیں کہیں کہیں انگریزی کا سہارا لینا پڑ رہا تھا۔ ایک طالبہ نے لیکچر کے دوران آپ کو ٹوک دیا کہ ہماری زبان نہ بگاڑیں اور صرف جرمنی میں لیکچر دیں۔ چنانچہ انہیں بہت محتاط ہو کر لیکچر دینا پڑا۔ ان حقائق اور تجربات کی روشنی میں انھوں نے کہا تھا کہ اگر اپنے ملک کو ترقی دینی ہے تو بیک وقت ذریعہ تعلیم اور سرکاری زبان اردو کی جائے۔

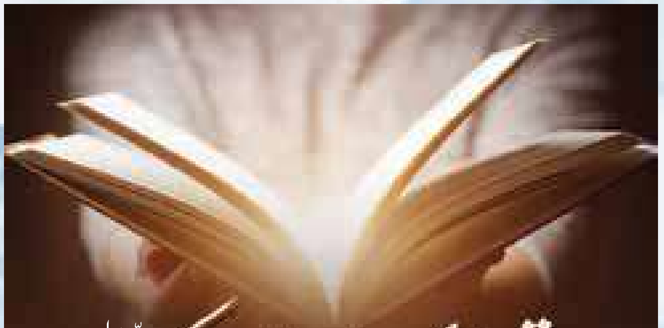

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

امّ بلال

سینکڑوں اور بھی دنیا میں زبانیں ہیں مگر
جس پہ مرتی ہے فصاحت وہ زبان ہے اردو

ہمیں فخر ہے کہ ہماری زبان ہے اردو، اقبال کی بلند فکری کا اظہار اسی اردو زبان میں ہے، یہ اردو ہی ہے جو عربی کی جامعیت، فارسی کی شیرینی اور ترکی کی وسیع القلبی اپنے اندر سمائے ہوئے ہے۔ 106 ملین سے زیادہ لوگوں کی زبان ہے اردو۔ تحریکِ پاکستان کے مجاہدین نے آزادی کا نعرہ اسی زبان میں لگایا اور ہندوستان کے مسلم نوجوانوں کو آزادی کی صف میں لا کھڑا کیا۔

گو لاکھ ہو رنگت پھولوں میں، خوشبو جو نہیں تو کچھ بھی نہیں
اِس دیش میں چاہے خند برسے، اردو جو نہیں تو کچھ بھی نہیں

کبھی اردو کی پُکار سننے کی تو کوشش کریں، وہ کہتی ہے : میں بڑی ملنسار ہوں، جو مجھے پڑھتا ہے تو میں اسے آگاہی دیتی ہوں۔ مٹھاس میرا چمن ہے، اتحاد میری کوشش ہے، ملت سے میرا ناطہ ہے، میری طرف سے بے توجہی برتنے والوں کو دُنیا اپنا غلام بنانے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ میں گنگا، جمنا، ستلج، بیاس اور راوی کے کناروں سے اٹھنے والی تہذیب کا اجالا ہوں۔ اور تم کیا ہو؟ میرے بغیر کچھ بھی نہیں۔ مجھے اس ملک کی مٹی نے جنم دیا ہے۔ میں شاعروں کی جان ہوں۔ تمہاری بقا مجھے آنے والی نسلوں میں منتقل کرنے میں ہے ورنہ !

تمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

اپنی بقا کو روزی روٹی سے جوڑنا کسی حد تک تو ٹھیک ہے، لیکن رزق پر کسی کا اجارہ نہیں، وہ جس کو چاہے جتنا عطا کرتا ہے۔ ہر شخص اپنے حصے کا رزق اوپر سے لکھوا کر آتا ہے، اگر آپ اپنے بچوں کو اسکولوں میں اردو پڑھاؤ گے تو کیا رزق نہیں ملے گا...؟؟ اگر کسی قوم کی ترقی کو روکنا چاہتے ہو تو اس کی مادری زبان چھین لو، قوم خود بخود تباہ ہو جائے گی۔ یہی حال اردو کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی مادری زبان کو فروغ دیں۔ قائدِ اعظمؒ نے 1948ھ میں شملہ میں یہ اعلان کیا تھا کہ صرف اردو ہی پاکستان کی زبان ہو گی۔ ہمیں یہ ملک اتنی آسانی سے نہیں مل گیا اور ابھی بھی دشمن اس کو میلی آنکھ سے دیکھ رہا ہے اور طاغوتی قوتوں کے دلوں میں یہ کھٹک رہا ہے۔ اللہ ہمارے ملک کی، ہماری زبان اور ہماری پہچان کی حفاظت فرمائے۔ آمین

اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

بیگماتی زبان

ڈاکٹر الماس روحی

زبان جہاں جذبات اور احساسات کی آئینہ داری کرتی ہے، وہاں وہ تہذیب و تمدّن کی امین بھی ہوتی ہے۔ یہ نظریہ عورتوں کی زبان کے لیے سو فیصد درست ہے، کیوں کہ دنیا کی تمام تہذیبیں، اسی کی آغوش میں پلی ہیں۔ تمدن اور زبان کا ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہے اور ان دونوں کے درمیان نہ ٹوٹنے والی کڑی عورت ہے۔ یہ ہی اردو زبان کی ایک خوبی ہے، جو اکثر ترقی یافتہ زبانوں کی ناگواری کی گوناگوں صفات پر بھاری ہے کہ اردو میں مردوں کی زبان عورتوں کی زبان سے قدرے مختلف رہی۔

اردو کی ابتدا کے متعلق عام طور پہ یہ نظریہ پیش کیا جاتا ہے کہ مغلوں کے زمانے میں لشکریوں اور عوام کے میل جول سے یہ زبان پیدا ہوئی، حالاں کہ تاریخ کی شہادت یہ ہے کہ اردو کی داغ بیل ہندوستان کے الگ الگ حصوں میں مختلف نوعیت سے پڑی تھی۔ یہ بات اور ہے کہ مغلوں کے پُرسکون اور شان دار دورِ حکومت میں، جہاں ایک مخلوط تمدّن کی ابتدا ہوئی وہاں اردو کا پودا تیزی سے نشو نما پانے لگا۔ بابر کے بعد ہمایوں کی بھی مقامی زبان سے بہت گہری دلچسپی رہی۔ ہمایوں کے بعد جب اکبر تخت نشین ہوا تو نہ صرف زبان، بل کہ تمدن اور مذہب بھی مخلوط ہو گئے۔ مخلوط تمدّن اور مخلوط زبان کی بنیاد ہندوستان میں دربارِ شاہی سے لے کر معمولی سپاہی کے گھر تک ”عورت“ ہی نے ڈالی۔

عورتوں نے الفاظ کو نگینوں کی طرح تراشا، زبان کو سلاست، لوچ اور اپنے لہجے کی حلاوت سے آشنا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں کسی زبان میں عورتوں اور مردوں کی زبان میں اتنا فرق نہیں ہے، جتنا اردو میں ہے۔ اسی لیے عورتوں کی زبان ”بیگماتی زبان“ کہلائی۔ دہلی کے شاہی قلعہ کا زنانہ بازار ہو یا لکھنؤ میں واجد علی شاہ کا قیصر باغ، ”بیگماتی زبان“ اپنی دل کشی اور دل نشینی کی وجہ سے مقبول رہی۔

مرد اور عورتیں دونوں اردو بولتے رہے، لیکن عورتوں کے محاورے، اندازِ گفتگو اور خاص الفاظ و لہجہ مخصوص ہوتا ہے۔ ہم کسی مرد کو ”اوئی اللہ“، ”قسم سے“، ”موا“، ”نوج“، ”خدا کی پناہ“، ”اللہ کرے“ اور ”اے بہن“ وغیرہ کہتے ہوئے نہیں سنتے۔ غصے کے موقع پر بعض بے مروّت مرد گالیاں دیتے ہیں تو کچھ بے سمجھ عورتیں کوستی ہیں، حالاں کہ دونوں کا مقصد ایک ہوتا ہے، مگر دونوں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ مردوں کی سخت و کرخت اندازِ گفتگو کے مقابلے میں زیادہ شیریں لہجہ عورتوں کا ہوتا ہے، اسی وجہ سے ایک زمانے میں عورتوں کی شاعری اور ادب کو ایک علیحدہ ”صنفِ ریختی“ قرار دیا گیا، جسے بعض مردوں نے بھی اپنانے کی کوشش کی۔ عورتوں کے الگ اندازِ گفتگو سے ہمارے ادب میں ایک ایسا تنوّع، تازگی اور رچاؤ پیدا ہو گیا جو کسی اور زبان میں نہ ہو سکا۔

عورتوں نے اردو زبان کو جو ہزاروں الفاظ وضع کر کے دیے اور لفظوں کی تراش خراش کر کے جو آب و تاب دی، اس کی اہم وجہ ہمارے معاشرے کا رہن سہن اور طور طریقے ہیں۔ پرانے زمانے میں عورتیں، مردوں سے علیحدہ مکان کے زنانے میں رہتی تھیں۔ پردے کا رواج عام تھا۔ مرد، مردانے میں اٹھتے بیٹھتے تھے اور رات کو گھر جاتے تھے۔ ان کے اپنے یار دوست ہوتے تھے، اپنی الگ تفریحات تھیں، بیٹھک میں شعر و شاعری کی محفلیں گرم کی جاتیں، خوش گپّیوں میں مصروف ہوتے۔ ادھر زنان خانے میں عورتوں کی اپنی ایک دنیا ہوتی۔ بیگمات، لڑکیاں بالیاں آپس میں مِلتی جُلتی گڑیاں کھیلتی، جھولے ڈالتیں، سینا پرونا، پکانا یہ عورتوں کے کام تھے۔ ان کی واحد تفریح پڑوسنوں سے ہنسی مذاق، سہیلیوں سے چھیڑ چھاڑ، ہم جولیوں سے بولی ٹھولی تھی۔ گرمیوں کی دوپہر میں چکن کاڑھنا، ٹوپیاں اور بٹوے سینا، خربوزے کے بیج کھٹکنا، سردیوں کی راتوں میں انگیٹھی کے پاس بیٹھ کر چھالیا کترنا اور بچوں کو کہانیوں کے ذریعے اپنی روایات سے آگاہ کرنا، ایک دوسرے سے ”کہہ مکرنیاں“ اور ”پہیلیاں“ بوجھ کر ایک دوسرے کے ذہنی سطح کو بلند کرنا، ساون کے موسم میں جھولے ڈالنا، چُنری رنگنا، کڑھائی چڑھانا، مہندی رچانا ان کے محبوب مشاغل تھے، مذاق ہی مذاق میں عورتوں نے ایک پھبتی کہی، دوسرے نے سنی اور تیسرے نے دہرائی۔ اس طرح طنز و مزاح بذاتِ خود ان کی زبان کا ایک خاص جزو بن جاتا۔

عورت کے لیے سب سے حیات آفریں شغل بچے کی پرورش ہے۔ ننھے سے دماغ میں نفی و اثبات اور اطراف کی اشیا کا تصور پیدا کرنا ”عورت“ ہی کا کام ہے۔ بچہ پیدائش کے بعد ماں کے منہ سے ”اللہ، اللہ“ کے بعد جو لفظ سنتا ہے، وہ ہے ”اخّوا“ اسے ہنسانے کے لیے اس کے منہ سے اسی قسم کی آوازیں نکلتی ہیں۔ بچہ جب ان آوازوں کو سنتا ہے اور اس پر چونکنا شروع کرتا ہے تو مائیں ”تا کرنا“ (پردے سے جھانکنا) تتو بجانا (تالیاں بجانا) مما (پانی)، (ہپا) کھانا، دودھو (دودھ) جیسے الفاظ وضع کر لیتی ہیں اور جب چیزوں کی شناخت کرانے کا مرحلہ آتا ہے تو خاص اصطلاحیں زبان میں شامل کر لیتی ہیں۔ جیسے کّکو (مرغا) میاؤں (بلی) چیا (چڑیا) بھو (کتا) چھی (گندگی) مم (پانی) ننّدی (نیند) وغیرہ۔ اسی طرح بچوں کو ڈرانا مقصود ہو تو ”اللہ بابا“، ”بھاؤ“، ”بھوت“ وغیرہ کہتی ہیں اور اسی طرح بچوں کے کھلونوں کے خاص نام بھی ان کی آواز اور ہیئت کے مطابق خود وضع کر لیتی ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ دل کش وہ ”لوریاں“ ہیں، جو وہ بچوں کو سلاتے وقت دھیمے سُروں میں گایا کرتی ہیں۔

پکوان اور سلائی عورتوں کے فرائض میں شامل ہے۔ اس کٹھن کام کے سلسلے میں انھوں نے بوقتِ ضرورت بیسیوں چیزیں ایجاد کیں، ان اشیا کے نام بھی انھوں نے ہی وضع کیے۔ مثلاً کونڈا، تسلا، لگن، ہانڈی، دیگچی، کف گیر وغیرہ۔ عورتوں نے برتنوں کی مناسبت سے دل چسپ محاورے بھی بنا لیے۔ مثلاً آٹا آٹا ہونا، ٹیڑھے توے کی روٹی، ایک چنا دو دال، تھالی کا بینگن، جلتے توے پر بیٹھنا، کلیجہ چھلنی ہونا وغیرہ۔

عورت اور سنگھار کا تعلق قدیم اور بہت گہرا ہے۔ وقت کے ساتھ زیورات، لباس اور خصوصاً سنگھار نے نئے روپ بدلے ”خوش بو“ کے لیے نئے عطر ایجاد کیے۔ جلد کی رنگت نکھارنے کے لیے پرانے زمانے کے اُبٹنوں کو اور زیادہ ترقی دی گئی۔ ان کے ساتھ ساتھ اردو زبان کو بھی نئے الفاظ، نئی اصطلاحیں اور تراکیب ملیں۔ الغرض! عورتوں کے الفاظ، روزمرہ کے محاورے ان کے مخصوص ماحول میں پلتے بڑھتے رہے، یہاں تک کہ وہ الفاظ اور محاورے ان کی شناخت بن گئے اور انھیں کے منہ سے اچھے بھی لگتے تھے۔

آج بھی بڑی بوڑھیوں کی زبان پر بعض ایسے محاورے اور الفاظ آجاتے ہیں، جنھیں جدید اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھنے والی لڑکیاں نہیں سمجھ پاتیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے معاشرے کی ہیئت، انداز اور رکھ رکھاؤ بدل گیا۔ عورت تعلیم کے میدان میں بڑھی تو حجاب ختم ہوا۔ اب لڑکے لڑکیاں ایک ہی اسکول اور کالج میں پڑھتے ہیں۔ دونوں کے استاد ایک، نصاب ایک، تفریحات ایک، پھر اب عورتیں مخصوص کتابیں پڑھنے کے بجائے تمام کتابیں پڑھتی ہیں اور تمام رسالوں سے آگاہ رہنا پسند کرتی ہیں۔

ان باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب زبان یک سانیت کی طرف مائل ہونے لگی ہے، جو زبان ستّر اسّی سال کی دادی اماں بولتی ہیں، وہ اب پچیس سال کی پوتی نہیں جانتی، سوائے چند الفاظ کے۔ اب پوتا پوتی ایک زبان بولتے ہیں ماسوائے چند ایک خاندان کے جو اپنی روایات پر قائم رہے ہوں تو ہوں۔ ان کے یہاں عورت اور مرد کی زبان میں فرق ہو سکتا ہے، لیکن اب زیادہ تر عورت اور مرد کی زبان میں فرق نہیں رہا۔ یک ساں کتابی زبان بولتے اور لکھتے ہیں۔ نانی جان بے چاری اب پان دان کونے میں رکھے چھالیا کُترتے ہوئے جو چاہے کہتی رہے، مگر گھر والے نہیں سمجھ پاتے، کیوں کہ ان کی زبان سے سب ناواقف ہیں اور اب ایک ہی زبان بولتے ہیں۔

زبان میں یک سانیت کوئی گناہ نہیں، اکثر زبانوں میں مردوں اور عورتوں کی زبانوں میں امتیاز نہیں، مگر زنانہ زبان چوں کہ ہمارے ادب اور کلچرل کا حصہ بن چکی ہے، اس لیے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زنانہ زبان بھلا دینے سے کیا فائدہ ہو گا؟ علمی اور کاروباری دنیا میں عورتوں اور مردوں کی زبان کی تفریق ضروری نہیں، مگر مکالموں اور روزانہ کی گفتگو میں اگر عورتیں اپنے مخصوص محاورے استعمال کریں تو ان کی چاشنی سے لطفِ گفتگو دو بالا ہو جائے گا اور اس طرح اردو زبان کا میدان وسیع تر ہو جائے گا۔

بقیہ

دیسی مرغی

اگلے دو ہی دنوں میں کالج کی کئی طالبات اس بزمِ ادب کا حصہ بن گئیں اور ان میں سے بیشتر کا یہ کہنا تھا کہ

”ہم انتہائی احساسِ کمتری کا شکار ہوتے جا رہے تھے۔“

اب کامن روم میں یہ گروپ ہر وقت مختلف مضامین کا تکرار کرتا نظر آتا۔ کلاس میں اساتذہ سے جو بات جس کو سمجھ نہ آئی ہوتی، وہ یہاں بلا جھجک پوچھی جاتی، تبادلۂ خیال ہوتے۔ انگریزی سے واقف طالبات اپنی ان ساتھیوں کو بلا مفاد اپنی استطاعت سے بہرہ مند کرتیں اور پھر سال کے آخر میں کالج کے رزلٹ میں تمام اساتذہ کو اس گروپ کے بہترین نتیجے نے حیران کر دیا، جس میں سب سے نمایاں پوزیشن شامہ کی تھی۔ کالج کی طرف سے شامہ کو نہ صرف پوزیشن شیلڈ سے نوازا گیا، بل کہ اعزازی شیلڈ بھی دی گئی اور تمام اساتذہ کی طرف سے یہ اعتراف بھی کیا گیا کہ

”ہم صرف انگریزی لیکچر پر ہی اکتفا کرتے تھے، جس کی وجہ سے بہت سی طالبات پیچھے رہ جاتی تھیں، جس کا ادراک شامہ کی بزمِ ادب نے ہمیں دلایا۔ اب ہم الگ سے اردو لیکچر کلاس بھی دیں گے۔“

شامہ کی آنکھیں اتنا جلدی اپنے عزم کی کامیابی پر چھلک پڑیں۔

"وہ دیکھو! دیسی مرغی آرہی ہے۔" علینہ نے تبصرہ کیا اور رافعہ' صبا اور شینا کا قہقہہ بلند ہوا۔ یہ چاروں "او-لیول" کر کے کالج میں داخل ہوئی تھیں۔ انگریزی ان کی گھٹی میں شامل تھی اور اردو سے انھیں سخت چڑ تھی اور کالج میں جس جس لڑکی کو انگریزی نہیں آتی تھی یا وہ انگریزی اٹک اٹک کر بولتی تو علینہ اینڈ گروپ کو ایک شکار ہاتھ لگ جاتا' پھر اس لڑکی کی جو درگت بنتی الامان والحفیظ...! مگر شمامہ کا کیس مختلف تھا' وہ اردو میڈیم سرکاری اسکول سے میٹرک پاس کر کے آئی تھی۔ اپنے اسکول کی لائق فائق طالبہ' بہترین مقررہ اور فی البدیہہ شاعرہ تھی۔ میٹرک میں پوزیشن ہولڈر ٹھہری اور پھر اس مشہور کالج میں اسکالر شپ حاصل کرنے میں کام یاب ہوئی' ورنہ اس کی اتنی استطاعت نہ تھی کہ اس کالج میں داخلہ لے پاتی۔

یہاں آکر اس کی اعتماد پر جو پہلی چوٹ لگی' وہ یہ تھی کہ وہ انگریزی کو جزوی طور پر جانتی تھی اور سمجھتی تھی۔ اسے اردو سے عشق تھا۔ وہ انگریزی کو ضرورت کے تحت استعمال ہونے والی زبان گردانتی تھی' مگر یہاں تو دنیا ہی نرالی تھی۔ پروفیسر صاحبان لیکچر بھی انگریزی میں ہی دیتے۔ نوّے فیصد طالبات انگریزی میں گٹر پٹر گفتگو کرتیں اور جس کو انگریزی نہ آتی' اس کو حقیر سمجھا جاتا' بل کہ بیش تر مواقع پر طنزیہ نظروں سے دیکھا جاتا اور ساتھ ساتھ مذاق بھی اڑایا جاتا۔ علینہ اینڈ گروپ نے تو اس کا نام ہی "دیسی مرغی" رکھ چھوڑا۔ آج پھر ان کے قہقہوں نے شمامہ کی آنکھوں میں کڑوا پانی بھر دیا۔ وہ خود اعتمادی جو اس کی ذات کا خاصہ تھا' کہیں کھوتا جا رہا تھا۔ اساتذہ کی شفقتیں' والدین کی اُمّیدیں' اسے اس ماحول میں ڈوبتی نظر آرہی تھیں۔ زندگی یک دم بے رنگ اور بے معنیٰ لگنے لگی تھی۔ قریب تھا کہ شمامہ تعلیم کو ہی خیر باد کہہ دیتی کہ رب کریم نے اسے مس منزہ سے اپنا مسئلہ بیان کرنے کا خیال دل میں ڈالا۔

مس منزہ میٹرک میں شمامہ کی اردو کی استانی رہی تھیں۔ بہت شفیق اور ملنسار طبیعت کی مالکہ تھیں۔ اب شمامہ ان کے رُوبرو بیٹھی اپنی شخصیت کے مسخ ہونے کا قصہ بیان کر رہی تھی۔ مس منزہ کو بھی وہ خوبرو اور پُر اعتماد شمامہ کے بجائے بکھری بکھری اور پریشان حال شمامہ نظر آرہی تھی۔

مس نے اپنی عینک درست کرتے ہوئے ایک ہنکار بھری۔ "ام م... دیکھو شمامہ! اب اس مقام پر ہی تو تمھارے کام کرنے کا وقت آیا ہے اور تم چند چوٹوں اور چند ٹھوکروں سے ہار مان گئی۔ تمھیں ان زخموں سے شکست نہیں کھانی' بل کہ اپنی زبان کے عروج کے لیے تمھیں کام کرنا ہے اور اس کی ترویج کے لیے محنت کرنی ہے۔ مشعل اٹھا کر پُر اعتماد انداز سے آگے بڑھنا ہے۔ بے شک! ابھی تم اکیلی ہو' مگر تمھارے اعتماد اور انداز کو دیکھ کر مجھے یقین ہے کہ ایک دن تمھارے ساتھ پورا کارواں ہو گا۔ قومیں وہی زندہ رہتی ہیں' جو اپنے تمدّن اور تشخّص کو تھام کر آگے بڑھتی ہیں۔ غیروں کی اندھی تقلید کا انجام گہری کھائی ہی ہوتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ انگریزی یا کوئی اور عالمی زبان نہ بولی جائے یا نہ سیکھی جائے' مگر اس کو خود پر اس قدر حاوی کر لینا کہ انسان اپنی تہذیب' اپنی زبان سے کٹ جائے' یہ جائز نہیں ہے۔ مجھے امید ہے تم مجھ سے وعدہ کرو گی کہ اب تم اس طوفان کا ڈٹ کر مقابلہ کرو گی' اپنی زبان کے فروغ کے لیے' اردو زبان کی بحالی کے لیے کوشاں ہو جاؤ گی۔ ایک نصب العین' ایک عزم کے ساتھ تمھیں اپنی زبان کے اقتدار کے لیے رب نے چن لیا ہے۔ یقینا تم اس چناؤ کو صحیح ثابت کرو گی۔"

دیسی مرغی

انیلہ محمد فیصل

شمامہ کے اندر مس منزہ کی باتوں نے ایک نیا عزم اور ولولہ انڈیل دیا۔ اب وہ مضبوط ارادے کے ساتھ کھڑی ہوئی۔ اب اس کا مقصد کالج کی طالبات میں "اردو زبان کا شوق پیدا کرنا" بھی تھا' اسے یقین تھا کہ یہ اکیلے کا عزم جلد ہی جمعیت اور قافلے کا روپ دھار لے گا۔ انشاء اللہ! اور پھر شمامہ نے کالج میں ایک بزمِ ادب کی بنیاد ڈالی' جہاں ان طالبات کو دعوتِ عام دی گئی' جو اردو میڈیم اداروں سے میٹرک پاس کر کے آئیں تھیں یا جنھیں انگریزی کی زیادہ شُد بُد نہ تھی۔ اس کے علاوہ ان طالبات کو بھی دعوت دی گئی' جو انگریزی بھی خوب جانتی تھی اور ساتھ ہی اردو ادب اور لٹریچر میں بھی خاطر خواہ دلچسپی رکھتی تھیں۔ اگلے دو ہی دنوں میں کالج کی کئی طالبات اس بزمِ ادب کا حصہ بن گئیں اور ان میں سے بیشتر کا یہ کہنا تھا کہ۔

(بقیہ ص23پر)

ADMISSIONS OPEN 2018 - 2019

MONTESSORI TO 'O' LEVEL

NAKHLAH

Educational House For Islamic Grooming

AFFILIATED WITH

University of Cambridge International Examinations, UK

Admission Request Form

Available from Friday 5th January, 2018

Admissions Office

021-34371052, 021-34371053

Office Timings

Monday to Friday: 08:30 am to 03:30 pm

Saturday: 09:30 am to 12:30 pm

for further information | www.nakhlah.edu.pk

میلہ

ثاقب ساجد میسانی

سورج کے شروع ہوتے ہی شہر میں چہل پہل شروع ہو گئی۔ عبادت کر کے مسجد سے نکلنے والے لوگ‘ اسکول اور کالج وقت پر پہنچنے کے لیے بھاگتے ہوئے طلبا اور اساتذہ‘ سبزی والے‘ اخبار والے‘ جاب والے‘ ورزش والے... سب اپنی اپنی منزل کی جانب رواں تھے۔

”ارے یہ کیا... !!“ اچانک ان سب کی نظر ایک عجیب و غریب مجمع پر پڑی۔ شہر کے بیچ و بیچ سب کا راستہ روکے ہوئے غیر ملکیوں کا مجمع ہر کسی کی توجہ کا مرکز بن چکا تھا۔ وہ کوئی میلہ سا لگ رہا تھا۔ دنیا بھر سے طاقتور زبانیں اس مجمع کا حصہ تھیں۔ ایک خوبصورت سا اسٹیج سجایا ہوا تھا اور اس پر مائیک نصب کیا جا رہا تھا۔ مسجد سے اشراق پڑھ کر نکلنے والے نمازی اس طرف بڑھنے لگے۔ اسکول اور کالج کے طلبا کا بھی اضطراب کھینچ کر انھیں وہاں لے گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے‘ سبزی والے‘ اخبار والے‘ جاب والے‘ ورزش والے سب اس اسٹیج کے آگے ناظرین (audience) بن کر بیٹھ گئے۔ شہر کے دیر تک سونے والے نواب تاجروں نے جو اٹھ کر ایک نظر کھڑکی سے جھانکا تو ان کی بے چینی بھی انھیں اس طرف کھینچ لائی۔ بچوں کو اسکول بھیج کر مارننگ شوز میں گم ہو جانے والی خواتین بھی تشریف لے آئیں۔ گویا تھوڑی ہی دیر میں آدھا شہر اُمڈ آیا۔ پروگرام شروع ہوا۔ سب سے پہلے فارسی اسٹیج پر حاضر ہوئی اور اپنا تعارف کرایا۔

”السلام علیکم ! خواتین و حضرات ... میرا نام فارسی ہے اور میں ایران کی قومی زبان ہوں۔ ایران کو پہلے فارس کہا جاتا تھا“‘ لیکن چوں کہ فارسی میں ملک کو ایران کہا جاتا ہے‘ اس لیے میرے ملک کا نام فارس سے بدل کر ایران رکھا گیا۔ فرانس کے ساتھ میری تاریخی رشتہ داری ہے‘ اسی لیے مجھ میں اور فرینچ میں کافی مماثلت ہے۔ میرا شمار دنیا کی قدیم زبانوں میں ہوتا ہے‘ یہی وجہ ہے کہ فارسی پڑھنے والے آج بھی سولہ‘ سترہ سو سال پرانی شاعری آسانی سے پڑھ سکتے ہیں‘ جب کہ انگریز دان آج شیکسپیئر کی شاعری ٹھیک سے پڑھ نہیں پاتے اور اگر کسی طرح سے پڑھ لیں تو سمجھ نہیں پاتے۔“ فارسی کے اس جملے نے ناظرین (audience) کے لبوں پر ہنسی کی ایک لہر بکھیر دی‘ جب کہ قریب بیٹھی انگریزی زبان غصے سے نہ صرف سرخ ہو گئی‘ بل کہ مزید اکڑ کر بیٹھ گئی۔

”فارسی جاننے والے آج بھی رومی اور سعدی کی شاعری آسانی سے پڑھ سکتے ہیں۔ میری گرامر خاصی آسان ہے‘ اسی لیے مجھے بہت آرام سے سیکھا بھی جا سکتا ہے۔ صرف ایران‘ افغانستان اور تاجکستان میں میرے بولنے والوں کی تعداد 130 ملین ہے۔ ازبکستان‘ بہرین‘ عراق‘ ترکی‘ کویت‘ یمن‘ یو۔اے۔ای اور امریکہ میں بھی لوگوں کی خاصی تعداد مجھ سے واقف ہے‘ جب کہ مڈل ایسٹ اور بھارت میں بھی مجھے سمجھا جاتا ہے۔“ فارسی کی مختصر تقریر اپنے اختتام پر پہنچی تو لوگوں نے خوب تالیاں بجائیں۔

”شکریہ ! شکریہ !“ تشکرانہ انداز کے ساتھ فارسی اپنی جگہ پر واپس آ بیٹھی۔

اب باری تھی عربی زبان کی۔ یہ زبان خاصی بارعب معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے کھڑے ہوتے ہی سب خاموش ہو گئے۔ ایک عجیب ہی امتیاز تھا‘ جو اس کے گرد گھوم رہا تھا۔ ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ ! میرا نام عربی ہے اور میں عرب کی زبان ہوں۔ میں دنیا کی 20 ممالک کی سرکاری (official) زبان ہونے کے ساتھ ساتھ دنیا کے 29 ممالک میں بولی جاتی ہوں۔ میں دنیا بھر سب سے زیادہ پھیلی ہوئی زبان ہوں۔ میں قرآن کی زبان ہوں۔ میں انبیا علیہم السلام کی زبان ہوں۔ میں جب سے پیدا ہوئی ہوں مجھ میں کوئی ایک حرف کی تبدیلی بھی نہ لا سکا‘ کیوں کہ مجھے لوگوں نے نہیں‘ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے۔ میں دنیا کی قدیم ترین زبان ہوں اور اب تک اسی طرح محفوظ ہوں۔ مجھ سے بہت سی زبانوں نے بہت کچھ حاصل کیا۔ انگریزی کو بھی میں نے بہت کچھ دیا۔ لفظ admiral، coffee، giraffe اور بہت کچھ انگریزی نے مجھ سے حاصل کیا۔ الجبرا کا x بھی مجھ ہی سے نکال کر لیا گیا تھا۔ میرے اندر ایک چیز کے لیے بے شمار لفظوں کا ذخیرہ ہوتا ہے‘ جیسے کہ لفظ محبت کے لیے میرے پاس 11 الگ الگ الفاظ ہیں‘ جب کہ اونٹ کے لیے میرے اندر 100 الفاظ کا ذخیرہ موجود ہے۔ میرے اندر حروفِ حلقی بھی ہیں‘ جو کسی اور زبان کے پاس نہیں۔“ اپنا یہ مختصر سا تعارف کرا کے عربی زبان ابھی اپنی سیٹ پر پہنچی بھی نہیں تھی اور لوگ ابھی اسے اپنی تالیوں کے ساتھ الوداع کر ہی رہے تھے کہ انگریزی زبان مائیک کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

”تھینک یو... !“ عربی زبان کے لیے بجائی جانے والی تالیوں کا شکریہ انگریزی نے ادا کیا۔ باقی زبانوں سے ہٹ کر یہ ذرا بے ادب سی محسوس ہوئی۔ ”جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ میرا نام انگریزی ہے اور میں دنیا بھر میں بولی جانے والی زبان ہوں اور آپ لوگوں کے ملک میں تو میں سرکاری (official) زبان بھی ہوں۔ میری پیدائش پانچویں صدی سے ہوئی اور اب تک مجھے بہت کچھ ملتا ہی چلا جا رہا ہے۔ آج تک ہر دو گھنٹے میں میری ڈکشنری میں ایک نیا لفظ داخل کیا جاتا ہے۔ شیکسپیئر میرا تخلیق کار‘ میرا نقّاش تھا۔ اسی نے لفظ laughable، fashionable اور بہت سے دوسرے لفظوں کی تخلیق کی۔ ایک بات اور بتاتی چلوں کہ میں تو ہواؤں کی بھی زبان ہوں۔ یعنی جہاز اڑانے والے تمام پائلٹس کو صرف اور صرف انگریزی ہی میں بات کرنی ہوتی ہے۔ میری اتنی ساری خصوصیات میں ایک اور خصوصیت یہ بھی ہے کہ میں دنیا کے سب سے مختصر اور مکمل جملے بنا سکتی ہوں‘ جیسے کہ ”i am“

”بس ! اب میں اور کیا بتاؤں‘ آپ لوگوں کو اپنے بارے میں... ؟“ اتنا کہہ کر وہ واپس مڑی تو آخر میں اردو زبان اٹھ کر مائیک کی طرف بڑھی‘ وہ دیکھنے میں تو بہت طاقتور معلوم ہو رہی تھی‘ لیکن چہرے سے افسردگی اور تنہائی صاف ظاہر تھی۔ نفاست اور تہذیب کی چادر میں چاروں طرف سے لپٹی ہوئی اردو زبان نے جب بولنا شروع کیا تو سب متوجہ ہو گئے۔

”میرا نام اردو ہے اور میں ملکِ پاکستان کی قومی زبان ہوں۔ میں ترکی زبان کا لفظ ہوں اور میرے معنی لشکر کے ہیں۔ میری ابتدا بارہویں صدی میں دہلی سے ہوئی۔ میں دنیا کی گیارہویں بڑی زبان ہوں اور میری عمر تقریباً 800 سال ہے۔ میں دیگر زبانوں سے مختلف اس لیے ہوں‘ کیوں کہ میں نے اپنے اندر بہت سی زبانوں کو جذب کر رکھا ہے۔ میں عربی‘ فارسی اور ترکی کے ملاپ سے وجود میں آئی ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ جس کو اردو آتی ہے تو اس کو فارسی اور عربی بھی آ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں دنیا بھر میں مسلمانوں کے درمیان رابطے کا ایک اہم اور طاقتور ذریعہ ہوں۔ مسلمانوں کو میں نے ایک دوسرے سے جوڑے رکھا ہے۔ میری شروعات حضرت نظام الدین اولیاؒ اور امیر خسروؒ نے کی۔ مولانا شبلی نعمانیؒ‘ مولانا الطاف حسین حالیؒ‘ ڈپٹی نذیر احمد‘ مرزا غالب اور علّامہ اقبال نے اپنا سارا کلام مجھ سے لکھا۔ اہلِ علم حضرات نے مجھ سے وہ کتابیں لکھی ہیں‘ جن کے ترجمے دوسری زبانوں میں کیے گئے۔ میں تحریک پاکستان کی پسندیدہ زبان تھی۔ میں مسلمانوں کی ثقافتی وراثت ہوں۔ میں نے مسلمانوں کے درمیان اتحاد پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی ثقافت کو بھی ان میں مقبول کیا۔ قانون‘ طب‘ کاروبار‘ معاشرت اور سائنس کے موضوعات پر کتابیں مجھ میں لکھی گئیں۔ میرے ادب اور شاعری کی نفاست کی گواہی دنیا دیتی ہے‘ چناں چہ مجھے شاعروں کی زبان بھی کہا جاتا ہے۔ میں بہت خوبصورتی سے کسی کا دل دکھائے بغیر تہذیب اور بد تہذیب عام و خاص میں فرق بتانے کی ماہر ہوں۔ مجھ میں روح کو چھو کر چھپے ہوئے لفظوں کے معنی سمجھانے کی بھی صلاحیت ہے۔

انگریزی زبان نے مجھ سے بہت سے لفظ حاصل کیے ہیں‘ جیسے : خاکی dusty‘ طوفان typhoon‘ کمر بند waistband... وغیرہ‘ لیکن آج کل مجھے انگریزی کے ساتھ ملا کر اور میرا کباڑہ نکال کر‘ جو نئی زبان پیدا کی جا رہی ہے اسے اہلِ علم حضرات نے minglish کا نام دیا ہے۔ اسکولوں میں میرے مضمون کو بالکل اہم نہیں سمجھا جاتا اور مجھے بے عزت کیا جاتا ہے‘ یوں محسوس ہوتا ہے کہ والدین اسکول والوں کو اردو بگاڑنے کی ہی فیس دیتے ہیں۔ مجھے صحیح معنوں میں اگر کسی نے بچا کر اور قائم کر رکھا ہے تو وہ دینی مدارس ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ میں مسلمانوں کو جوڑے رکھنے کا ایک ذریعہ بھی ہوں‘ اگر وہ دوسری بانوں میں علم حاصل کرنے کو فوقیت دیں گے تو وہ اسلام سے دور چلے جانے کا راستہ اختیار کریں گے۔

اللہ سے کرے دور تو تعلیم بھی فتنہ
اَملاک بھی‘ اولاد بھی‘ جاگیر بھی فتنہ

مجھ سے محبت کرنے والے ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے

یہ کیسا عشق ہے اردو زبان کا
نشہ آتا ہے اردو بولنے میں

خیر ! میں جاتے جاتے بس اتنا کہوں گی کہ کسی بھی قوم کی غیرت ان کی قومی زبان سے ہوتی ہے‘ چناں چہ جب بھی کسی قوم پر حملہ کر کے اس کو توڑنا ہوتا ہے تو سب سے پہلے اس کی شناخت‘ اس کی زبان پر حملہ کیا جاتا ہے۔ اگر بحیثیت ایک قوم کے زندہ رہنا چاہتے ہو تو مجھے سنبھال لو‘ میری قدر کرو‘ مجھے اپنا بنا لو‘ ورنہ اپنی اسلامی شناخت کھو بیٹھو گے۔ مجھے سرکاری سرپرستی کے ساتھ ساتھ اپنے لوگوں کی نگاہوں میں اپنے لیے عزت کی بھی ضرورت ہے۔“ اتنا کہہ کر وہ واپس مڑی‘ اس کی آنکھوں میں نمی کو سب نے صاف محسوس کیا۔ وہ دوبارہ اپنی سیٹ پر نہیں بیٹھی۔ بس آگے چلتی چلی گئی... چلتی چلی گئی... یوں محسوس ہو رہا تھا‘ جیسے وہ ہم سب کو چھوڑ کر جا رہی ہو‘ سب ٹکٹکی باندھے اسے تک رہے تھے۔ دور سے کہیں فہمِ دین کے قارئین بھاگے بھاگے اردو زبان کے پاس پہنچے‘ اسے گلے سے لگا لیا اور کہا :

”ہم نے آپ کو نہیں چھوڑا۔ آپ بھی ہمیں چھوڑ کر مت جائیں۔ آپ چلی جائیں گی تو ہم سب گونگے ہو جائیں گے۔ ہم آپ کی گود میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ ہماری ماں ہیں‘ جیسے بچہ اگر اپنی ماں کو پرانے زمانے کا سمجھ کر چھوڑ جاتا ہے اور پھر زمانے بھر کی ٹھوکریں اسے سبق سکھاتی ہیں اور وہ لوٹ کر پھر اسی پرانی ماں کے پاس آتا ہے‘ تو ہم بھی آپ کے پاس آئے ہیں‘ ہمیں معاف کر کے دوبارہ اپنا لیں... !!“

یہ سن کر اردو نے ان سب کو اپنے اندر سمو لیا۔

الٹی گنگا

بنت عامر

''انگلش میں 20 میں سے 11 نمبر ! ! اتنے کم ؟ تم مجھ سے مار کھاؤ گی۔'' امی نے عائشہ کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

''امی دیکھیں تو سہی ' میرے اردو میں 20 میں سے 20 نمبر آئے ہیں ' جب کہ معاذ اردو میں فیل ہے اور آپ نے اس کو کچھ بھی نہیں کہا۔'' عائشہ روہانسی ہو گئی۔

''ارے تو انگلش میں تو تم سے زیادہ نمبر لیے ہیں نا ! اردو میں فیل ہو گیا تو کیا ہوا؟ اردو کونسا آگے جا کر کام آئے گی۔ کام تو صرف انگلش ہی آئے گی۔'' امی نے عائشہ کے اعتراض کا یہ جواب دیا۔ تو امی انھیں حیرت سے دیکھنے لگی ' اس پر امی نے اسے مزید جھڑکا : ''زیادہ دوسروں کی ٹوہ میں لگنے کی ضرورت نہیں ہے ' اپنے گریبان میں جھانکو ' آئندہ انگلش میں کم نمبر آئے تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہو گا۔

''خوش خبری ! ! !'' معاذ چلّاتے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔ ''صفوان چاچو اپنی فیملی کے ساتھ اگلے مہینے امریکہ سے پاکستان آرہے ہیں۔ خوب مزا رہے گا۔'' معاذ نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ ''ارے واہ ! !'' عائشہ بھی خوش ہو گئی۔

''محترمہ ! انگلش تو آپ کی کمزور ہے۔ سفیان اور مناہل سے اشاروں میں بات کرنے کا ارادہ ہے کیا ؟ ؟ ظاہر ہے وہ تو فَر فَر انگریزی بولتے ہوں گے اور آپ لوگوں کو تو کچھ بھی سمجھ نہیں آئے گا۔'' امی نے فکر مندانہ انداز میں کہا۔

''میں کل ہی ٹیوشن سنٹر جا کر تم دونوں کا داخلہ کروا آؤں گی ' تاکہ تم لوگ بھی ایڈوانس انگلش سیکھ سکو ' کہیں مناہل اور سفیان کے سامنے شرمندگی ہی نہ اُٹھانی پڑ جائے اور خبردار جواب میں نے تم دونوں کو اردو بولتے ہوئے سُنا۔ اب گھر میں بھی انگلش میں ہی بات کرنی ہو گی۔'' عائشہ اور معاذ ایک دوسرے کو دیکھتے ہی رہ گئے۔

ابھی عائشہ اور معاذ کو انسٹی ٹیوٹ میں داخلہ لیے 15 دن ہی گزرے تھے اور وہ بڑی مہارت سے انگلش بولنے لگے۔ گھر کی تو گویا فضا ہی بدل گئی۔ آپس میں بات بھی انگریزی میں کرتے ' یہاں تک کہ لڑنا ' جھگڑنا سب ہی انگریزی کی نظر ہو گیا۔

''ماشاءاللہ ! عائشہ نے تو انگلش میں بہت جلد ہی عبور حاصل کر لیا ہے۔ مجھے تو بہت خوشی ہوئی ہے۔ اب دیکھنا مناہل اور سفیان کے سامنے میرے بچے ایسی انگریزی بولیں گے کہ کسی کو گمان بھی نہ ہو سکے گا کہ یہ سرکاری اسکول کے پڑھے ہوئے ہیں۔'' امی نے فخر سے کندھے اُچکائے۔

''میں لائبریری جا رہا ہوں عائشہ ! مجھے کچھ انگلش ناولز لینے ہیں۔ تمہیں تو کوئی کتاب نہیں لینی ؟ ؟'' معاذ نے عائشہ سے پوچھا۔

''جی میرے لیے ڈین براؤن اور جے کے رولنگ کے ناولز لے آنا۔'' عائشہ نے کہا۔

''ارے بچو ! یہ کیا الٹی سیدھی چیزیں پڑھنے لگ گئے ہو ؟ اُردو کہانیاں پڑھو ' بہت مزہ آئے گا۔ کبھی اشتیاق احمد مرحوم کے ناولز پڑھو۔ محاورات اور ضرب الامثال میں ایسی ڈُبکیاں لگوائیں گے کہ تم لوگ اردو کے گرویدہ ہو جاؤ گے ' پھر کرداروں کی چٹ پٹی باتوں کا اپنا ہی لطف ہے۔ اگر شاعرانہ ذوق ہے تو علامہ محمد اقبالؒ کی شاعری بہت ہی زبردست ہے ' حالیؔ کی مسدس دیکھو کس طرح سے انھوں نے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کیا۔

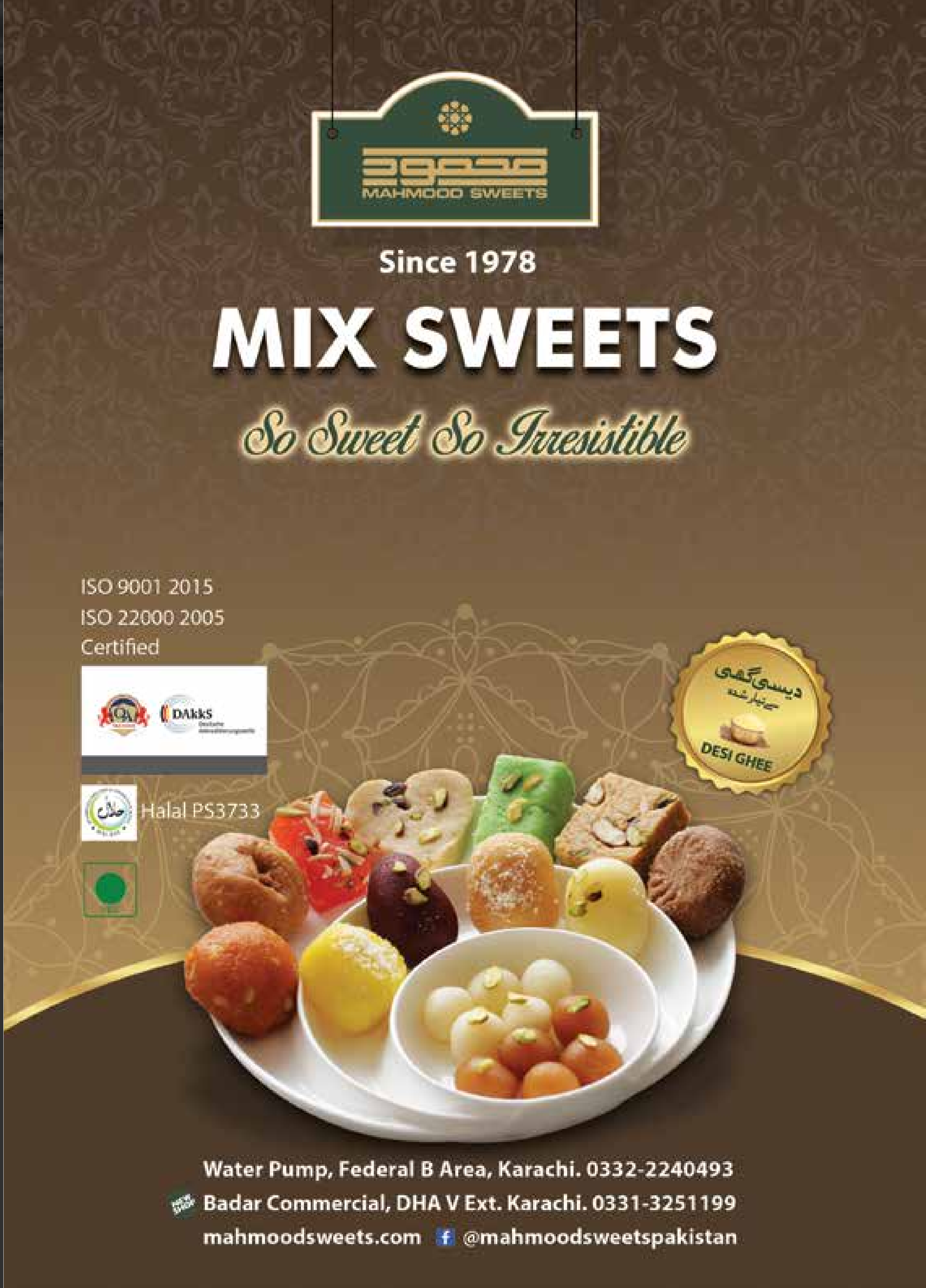

یہ کیا تم لوگ خشک سی انگریزی کتابیں پڑھنے لگ گئے ہو؟" دادی جان نے بھی مداخلت کی۔

"ارے دادی! ہم اپنے نصاب کی اردو کی کتابیں مشکل سے پڑھتے ہیں۔ آپ اردو کہانیاں پڑھنے کی بات کرتی ہیں!" "اتنی مشکل سے تو ہم اردو میں پاس آتے ہیں اور پھر اردو پڑھ کر کیا کرنا ہے؟ آج کل اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے، اہمیت تو صرف اور صرف انگلش کی ہے۔" معاذ نے بے پرواہی سے کہا۔

"تم راستے میں ذرا مجھے پارلر چھوڑ دینا۔ مجھے نیا ہیئر کٹ لینا ہے۔" عائشہ نے سن گلاسز پہنتے ہوئے کہا۔

"ہائے عائشہ بیٹی! اتنے چھوٹے بالوں کو مزید چھوٹا کرالو گی؟؟ بال ہی تو عورت کی زینت ہوتے ہیں۔" دادی جان نے پھر اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"بال عورت کی زینت ہوتے ہیں ناں، پر میں تو 'گرل' ہوں۔" عائشہ نے قہقہہ لگایا۔ "دادی جان! اب زمانہ بدل چکا ہے۔ اب آپ بھی اپنے پُرانے خیالات چھوڑ دیں۔ آج کل باب کٹ (Bobcut) کا بہت فیشن ہے۔ آپ انگلش ڈراموں میں دیکھیے گا کبھی۔" عائشہ دادی جان کو اپنی تجویز دے کر گاڑی کی طرف چل پڑی اور دادی جان سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

"مجھ سے تو بالکل بھی انتظار نہیں ہو رہا۔ بس اُڑ کر پاکستان چلا جاؤں۔" سفیان بولا۔ "ہاں واقعی! کتنا مزہ آئے گا۔ اپنا وطن، اپنے لوگ، اپنی زبان!" مناہل نے بھی سفیان کی تائید کی۔

"کتنا عرصہ ہو گیا ہے، میرے کان تو اُردو زبان سننے کو ترس ہی گئے ہیں۔ ہم عائشہ اور معاذ سے خوب باتیں کریں گے۔" سفیان بولا۔

"ہاں! اور ہم ان سے نئے نئے محاورے اور ضرب الامثال بھی سیکھیں گے، بلکہ میں نے تو ممّا کی پرانی نوٹ بک سے اشعار بھی یاد کیے ہیں۔ میں تو ان سے بیت بازی کا مقابلہ بھی کروں گی۔" مناہل نے جوش میں آکر کہا۔

"بلی کے خواب میں چھیچھڑے!! تم کہاں اُن سے مقابلہ کرنے چلی ہو۔ اُن پاکستانیوں کے سامنے بھلا تمہاری دال کیا خاک گلے گی۔ شکست ہی تمہارے مقدر میں آئے گی۔" سفیان نے مذاق اُڑاتے ہوئے کہا۔

"شکل اچھی نہیں تو بات ہی اچھی کر لیا کرو۔ دیکھ لینا۔۔ میں بھی کسی سے کم نہیں۔" مناہل نے منہ بنایا۔

"یہ لڑائی کیوں ہو رہی ہے بچو؟؟ آپ لوگ ابھی تک سوئے نہیں؟ چلو شاباش سو جاؤ! صبح کی فلائیٹ ہے، جلدی اٹھنا ہو گا۔" صفوان صاحب نے لائیٹ بند کرتے ہوئے کہا۔

صفوان صاحب کو امریکا آئے پانچ سال کا عرصہ گزر گیا تھا۔ وہ ایک وطن دوست انسان تھے۔ اپنے وطن اور قومی زبان سے بے حد محبت رکھتے تھے، لہٰذا انھوں نے اپنے بچوں سے بھی یہ کہہ رکھا تھا کہ نیویارک جیسے متمدّن شہر میں بھی اپنی زبان سے بے وفائی نہ کی جائے، اس لیے مناہل اور سفیان آپس میں اردو میں ہی باتیں کیا کرتے تھے۔ ان دونوں کو بھی اپنے باپ کی طرح اپنے وطن سے عشق تھا، اس لیے پاکستان جانے کے بہت مشتاق تھے۔

ائیر پورٹ میں بہت گہما گہمی تھی۔ عائشہ اور معاذ کی نظریں مسلسل مناہل اور سفیان کی تلاش میں تھیں۔ آخر انہیں صفوان چاچو دور سے نظر آ ہی گئے اور وہ دونوں اِن کی طرف دوڑے۔ سفیان اور مناہل کو دیکھ کر انہیں حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ مناہل نے عبایا اوڑھ رکھا تھا اور سفیان نے بھی قمیض شلوار پہنی ہوئی تھی، جب کہ مناہل اور سفیان بھی عائشہ اور معاذ کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے۔ ٹائیٹ جینز، آدھی آستینوں والی شرٹ اور کٹے ہوئے بالوں میں عائشہ بالکل ہی انگریز لگ رہی تھی۔

"آپ لوگ امریکا سے آرہے ہیں یا عمرہ کر کے؟" عائشہ نے انگریزی میں طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ہم بھی یہی سوچ رہے ہیں کہ امریکا سے ہم آئے ہیں یا آپ؟" مناہل نے کہا۔

"چلو بھئی! اب باقی باتیں گھر چل کر کرتے ہیں۔" پاپا نے سامان کی ٹرالی دھکیلتے ہوئے کہا۔

"مناہل اور سفیان دادی جان سے مل کر بہت خوش ہوئے، مگر وہ عائشہ اور معاذ کے طرزِ عمل سے بہت حیران تھے۔ وہ اپنے اکثر اوقات انگریزی ناول پڑھنے میں گزارتے۔ انھیں اُردو سے کوئی دل چسپی نہ تھی، لہٰذا مناہل اور سفیان اپنا وقت دادی جان کے پاس بیٹھ کر گزارتے۔ گھنٹوں بیٹھ کر ان سے باتیں کرتے، ان سے کہانیاں سنتے تو کبھی ان سے ان کے بچپن کے قصے سننے کی فرمائش کرتے۔

"یار عائشہ! یہ تو الٹی گنگا بہہ رہی ہے۔ ہم تو سمجھے تھے کہ وہ ماڈرن قسم کے لوگ ہوں گے، مگر وہ تو امریکا کے مولوی نکلے۔" معاذ نے کہا۔

"ہاں! ہم نے اُن کی خاطر اپنا سب کچھ بدل ڈالا، زبان بھی، لباس بھی، اندازِ زندگی سب، مگر سب بے سود گیا، بلکہ انھیں تو ہم میں کوئی دل چسپی ہی نہیں رہی۔" عائشہ نے بھی افسردگی سے کہا۔

"صحیح بات تو یہ ہے کہ مناہل اور سفیان کو دیکھ کر مجھے تو بہت ندامت ہوئی۔ ہم ہی غلطی پر ہیں، چلو! آج ہم بھی دادی کے کمرے میں چل کر کہانی سنتے ہیں۔" عائشہ اور معاذ کو دادی کے کمرے میں آتا دیکھ کر مناہل اور سفیان بہت خوش ہوئے۔ پھر عائشہ اور معاذ کو بھی دادی جان کے پوپلے منہ سے کہانی سننے کا وہ مزہ آیا، جو کبھی کسی انگریزی ناول میں نہ آیا۔ کہانی ختم ہونے کے بعد معاذ نے کہا: "آخر تم دونوں اتنی اچھی اُردو کیسے بول لیتے ہو؟ وہ بھی امریکا جیسے ترقی یافتہ ملک میں۔"

"دراصل بات یہ ہے کہ جب ہم شروع شروع امریکا گئے تو ہم وہاں کے ماحول میں ہی رنگ گئے، ہمیں اُردو حقیر لگنے لگی اور منہ ٹیڑھا کر کے انگریزی بولنے کو ہی ترقی سمجھنے لگے، پھر ایک مرتبہ سیر کرنے جرمنی گئے، وہاں کے لوگوں کو تو انگریزی زبان آتی ہی نہیں، حالاں کہ وہ بہت ترقی یافتہ ملک ہے، وہاں ہمیں اشاروں میں بات کرنا پڑتی، کیوں کہ وہاں کے لوگ صرف جرمن بولتے تھے، تب ہمیں معلوم ہوا کہ ترقی کا تعلق انگریزی سے نہیں، بلکہ جو قومیں اپنی قومی زبان سے وفا کرتی ہیں، ترقی اُن کو حاصل ہوتی ہے، پھر ہمیں اپنے پاکستان کا خیال آیا، اپنی اُردو کا خیال آیا تو ہم نے عہد کیا کہ اپنی زبان سے ہرگز بے وفائی نہیں کریں گے اور پاپا نے بھی ہمیں سمجھایا اور ایک قانون بنا دیا کہ گھر میں جو انگریزی بولے گا، اُس پر جرمانہ آئے گا۔ اس کے بعد سے نا صرف ہم اُردو بولنے لگے، بلکہ اس کے گرویدہ ہو گئے۔" سفیان نے ساری بات بتائی۔

"واقعی! ہم بہت شرمندہ ہیں۔ ہم نے اپنی قومی زبان سے بے وفائی کی۔ ہم سمجھتے تھے کہ انگریزی سے ہی ترقی کے مراحل طے ہوتے ہیں۔" عائشہ کا سر شرم سے جھک گیا۔

"دیکھو! بچو! ہر چیز میں اعتدال رکھنا ضروری ہے۔ انگریزی زبان کا اگرچہ ترقی میں دخل ہے، مگر کسی حد تک۔" دادی جان نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"یہ گلاس دیکھو! یہ پانی کا آدھا گلاس ہے، انھوں نے میز پر پڑے گلاس کی طرف اشارہ کیا۔ پھر جگ سے مزید پانی اس گلاس میں ڈالا، یہاں تک کہ وہ بھر گیا۔ کیا اس گلاس میں ترقی ہوئی؟" دادی جان نے پوچھا تو سب بچوں نے اثبات میں سر ہلائے۔ پھر دادی جان نے جگ اُٹھایا اور اس میں مزید پانی ڈالنے لگی: "ارے ارے! بس دادی جان سارا پانی گر رہا ہے۔" سارے بچے چلّائے۔ دادی جان مسکرائیں اور کہا: "یہی معاملہ انگریزی کا ہے۔ ایک حد تک سیکھو گے تو ترقی میں معاون رہے گی، مگر اگر حد سے بڑھ جاؤ گے تو بگاڑ پیدا کرے گی۔"

ارے واہ! دادی جان! بالکل ٹھیک فرمایا آپ نے۔ مجھے ایک شعر بھی یاد آ گیا:

اردو ہے جس کا نام، ہمیں جانتے ہیں داغ
سارے جہاں میں دُھوم ہماری زُباں کی ہے

عائشہ نے گُنگناتے ہوئے کہا۔ اور تو اور ہمارے اقبالؒ نے بھی فرمایا تھا:

یہی درس دیتا ہے ہر شام کا سُورج
مغرب کی طرف جاؤ گے تو ڈُوب جاؤ گے

مناہل نے شرارت سے عائشہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور سب کے قہقہے گونج اُٹھے۔

مگر ہم نے الٹا موبائل، ٹی۔ وی، گیمز اور کارٹونز کے حوالے کر دیا۔ مطالعے کی عادت ڈالی بھی تو اتنی کہ انگریزی اچھی ہو جائے۔ یہ نہیں سوچا کہ اردو ہماری ثقافت ہے، ہمارے آباؤاجداد کی زبان ہے، ہماری پہچان ہے۔ اب میں کس کو یہ شعر سنا کر خوش ہوں جو مجھے میرے بھائی جان اس وقت سنایا کرتے تھے۔ جب مجھے کوئی کام مشکل معلوم ہوتا تھا اور میں مایوس ہو کر کہتی تھی کہ مجھ سے نہیں ہو گا۔ بھائی جان چڑاتے ہوئے یہ شعر پڑھتے:

نہیں کھیل اے داغ! یاروں سے کہہ دو
آتی ہے اُردو زباں آتے آتے

مگر میری امی یہ نظم سنا کر حوصلہ دیتیں:

اٹھ باندھ کمر کیوں ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

بھائی، بہن آپس میں بیت بازی کر رہے تھے، جب آپا جان نے یہ شعر سنایا۔

اُڑالی قمریوں نے، طوطیوں نے، عندلیبوں نے
چمن والوں نے مل کر لوٹ لی طرزِ فُغاں میری

تو میں نے آپا سے کہا کہ اتنے اچھے شعر کہاں لکھے ہیں۔ مجھے بھی یاد کرا دو۔ تو آپا نے علامہ محمد اقبالؒ کی کتاب بانگِ درا میں نظم "تصویرِ درد" کا صفحہ نکال کر دے دیا۔

ابھی ماریہ انہی سوچوں میں گم تھی کہ ان کا پوتا بھاگتا ہوا آیا۔

"دادی جان! آپ کیا پکا رہی ہیں؟" اس نے اپنی چار سالہ پیاری زبان میں پوچھا۔

ماریہ نے مسکرا کر اپنے پوتے نبیل کی طرف دیکھا اور کہا:

"جو کی فیرنی... کھاؤ گے بیٹا؟"

"آپ دیں گی تب نا...!!" نبیل نے بڑے مزے سے کہا۔

ماریہ کے ذہن میں خیال کوندا۔ میں اپنے پوتے کو اردو سکھا سکتی ہوں۔ ابھی بھی وقت ہے۔ امید کی کرن باقی ہے۔

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

یہ سوچتے ہوئے ماریہ پیالوں میں فیرنی ڈالنے لگی۔

کیا غم ہے جو رات ہے اندھیری
میں راہ میں روشنی کروں گا

اور نبیل کو فیرنی کھلانے کے ساتھ ساتھ اقبال کی نظم "ہمدردی" بھی سنانے لگی۔

بھوکی فیرنی

تابِ ردا

فاریہ اپنی والدہ کے ساتھ تیمارداری کے لیے ہسپتال میں بیٹھی ہوئی تھی۔ فاریہ کی والدہ کچھ دنوں سے علیل تھیں، تو سب بھائی بہن اور خالہ مل کر ہسپتال میں باری باری رُک جاتے تھے۔

موبائل کی گھنٹی بجی تو ماریہ نے دیکھا کہ اس کے بیٹے کا فون تھا جو اپنے (ایم۔بی۔بی۔ایس) کے آخری سال کے امتحانات کی تیاری میں مصروف تھا

''جی بیٹا! السلام علیکم! بولو کیا حال ہے؟'' فاریہ نے بات شروع کی۔

''وعلیکم السلام! امی آپ کیسی ہیں؟ نانی کی طبیعت کیسی ہے؟'' راحیل نے پوچھا۔

''الحمد للہ! میں ٹھیک ہوں۔ نانی کو ابھی تھوڑی دیر میں الٹرا ساؤنڈ کے لیے لے کر جائیں گے، پھر دیکھتے ہیں ڈاکٹر کیا کہتے ہیں۔'' فاریہ نے جواب دیا۔

''اچھا! امی آپ کی کزن کا فون آیا تھا، وہ اپنا نام نیلوفر بتا رہی تھیں، پہلے تو میں ڈر گیا...''

''کیوں...؟'' ماریہ نے ایک دم بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔

''وہ ایک زمانے میں کراچی کے ساحل پر جو طوفان آرہا تھا اس کا نام بھی نیلوفر تھا۔'' راحیل بولا۔

''ارے بیٹا! یہ تو کوّا چلا ہنس کی چال والی بات ہے، دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی یہ طوفانوں کا نام رکھنا شروع ہو گیا ہے اپنے ملک میں بھی، ورنہ نیلوفر لڑکیوں کے نام ہوتے ہیں۔'' ماریہ بولی۔

''اچھا! خیر وہ نانی کو دیکھنے آنا چاہ رہی تھیں تو میں نے بتا دیا کہ لیاقت نیشنل ہسپتال میں گردوں کے اسپیشل وارڈ میں چلی جائیں۔ امی! kidneys کو گُردے ہی کہتے ہیں نا۔'' راحیل نے سوچ کر پوچھا۔

''جی! گردے ہی کہتے ہیں۔'' ماریہ نے کہا۔

''اچھا! امی یہ بتائیں کہ Lungs کو کیا کہتے ہیں؟'' راحیل نے پوچھا۔

''بیٹا! Lungs کو پھیپھڑے کہتے ہیں۔ تمہیں ابھی تک یہ سب نہیں پتا...؟'' ماریہ کو تھوڑا غصہ بھی آیا۔

''نہیں نا امی! اسی لیے تو آپ سے کنفرم کر رہا تھا۔''

اتنے میں نرس اندر آئی تو ماریہ نے کہا: ''اچھا بیٹا! میں بعد میں بات کرتی ہوں۔'' یہ کہہ کر ماریہ نے فون بند کر دیا۔

''سنیے...! راحیل اب یہ ڈاکٹر بننے جا رہا ہے اور کل کو ایسا نہ ہو کہ مریض کے جِگر میں خرابی ہو اور یہ کہہ دے کہ آپ کے معدہ میں خرابی ہے۔'' ماریہ شام کو گھر آئی تو راحیل کے ابّا شکیل کو ساری بات بتائی۔

''ڈاکٹر کو علاج صحیح کرنا آنا چاہیے۔ تم زبان کی فکر کیوں کرتی ہو؟ اِس کو کون سا یہاں رہنا ہے۔ پاس کرتے ہی تو بیرونِ ملک چلے جانا ہے۔ انشاء اللہ! وہاں اردو کی ضرورت نہیں ہو گی۔'' راحیل کے ابا نے کہا۔

اس جواب سے ماریہ کی فکر مندی کم ہونے کے بجائے اور بڑھ گئی، وہ اپنے بچپن کے بارے میں سوچنے لگی کہ کس طرح ہماری امی خشخاش کے پراٹھے، آٹے کی ہٹھی، ستّو کی روٹی، دال کی پوریاں، امرود کی جیلی، انڈے کا حلوہ، نمک پارے سب گھر میں بنا کر کھلایا کرتی تھیں۔

ہمارے بچوں کو تو سیریلیک کھانے کی عادت ہے، ان لذیذ کھانوں کا ذائقہ تو ہم نے اُن کو دیا ہی نہیں، تو ان کے نام اور اردو کے پیارے پیارے الفاظ انھیں کیسے پتا چلیں گے۔ یہ الزام ہم بچوں کو نہیں دے سکتے۔ اسی طرح بجائے اس کے کہ ہم اپنے بچوں کے ہاتھوں میں اشتیاق احمد، ابنِ انشاء، شفیق الرحمٰن، صدّیق سالک کی کتابیں پکڑاتے۔ حالی کی مسدّس اور اقبال کی شاعری سے مانوس کرواتے، مگر ہم نے الٹا

(بقیہ ص 31 پر)

یہ قوم اور اس کی زبان

صبا یونس قریشی

کمرۂ عدالت میں گہرا سناٹا تھا اور ٹائپ رائٹر کی انگلیاں تیزی سے پرنٹر پر متحرک تھیں۔ پرنٹر کی کھٹاکھٹ کمرے میں موجود تمام نفوس کی سماعت میں گویا انڈیلی جارہی تھی... فیصلے کی گھڑیاں قریب تھیں... فریقین کے وکیل اپنی اپنی جرح ''انگلش'' میں مکمل کرچکے تھے۔ جرح کے دوران فریقین بہت بے چینی سے پہلو بدلتے رہے کہ اب وکیل ''اردو'' میں بات کریں تو ہمیں بھی پتا چل سکے کہ ہمارا وکیل کیا کہہ رہا ہے؟؟ مگر... فیصلہ ہونے تک فریقین پہلو ہی بدلتے رہ گئے۔ وکلا نے دو چار ''اردو'' کے لفظوں پر احسان کیا ہو تو کیا ہو' وگرنہ فریقین ہی انگلش سے نابلد ہونے کی وجہ سے وکلا کی گفتگو نہ سمجھ سکے تھے...! آج کی تمام کروائی مکمل ہو جانے کے بعد فریقین نے ٹائپ رائٹر سے التجا کی کہ وہ ان کو آسان اردو میں بتادے کہ ان پرچوں میں کیا لکھا گیا ہے؟ ٹائپ رائٹر نے دونوں کو انتہائی سختی سے گھورا' پھر دل میں ''جاہل قوم'' کے خطاب سے نواز کر آہستہ آہستہ دونوں کو بتانے لگا کہ کیا لکھا ہوا ہے۔

دونوں شخص توجہ سے سن رہے تھے' مگر دل شکوے سے لبریز تھا کہ کیا یہ عجیب نہیں کہ ملک کی بقا کا سب سے بڑا ادارہ ''عدلیہ'' میں تمام کاروائی ''قومی زبان'' میں طے نہیں پاتی' بل کہ دشمنوں کی زبان میں تمام مراحل طے ہوتے ہیں۔ کیا دنیا میں اور کوئی ملک ہے' جہاں ان کی اپنی ''قومی زبان'' کے علاوہ کسی دوسری زبان میں قانونی کاروائی ہوتی ہو...؟؟؟

❖

''یار جنید! کیا ہوا؟ تُو بتا رہا تھا کہ ڈاکٹر نے تجھے پِتّے میں پتھری بتائی ہے؟ تُو نے ٹیسٹ کروالیے؟؟'' ہاشم نے اپنی ریڑھی پر پھل کو ترتیب دیتے ہوئے اپنے ایک مستقل گاہک سے پوچھا تھا۔

''ہاں یار! ٹیسٹ تو کروالیے... مگر پتا نہیں رپورٹ میں کیا لکھا ہے؟ ڈاکٹر کے پاس جاؤں گا تو پتا چلے گا۔'' جنید نے جواب دیا۔

''یار...! میٹرک پاس ہے تُو' خود ہی پڑھ لیتا۔'' ہاشم کو حیرت سی ہوئی۔

''ارے میرے بھائی! رپورٹ انگلش میں لکھی ہوئی ہوتی ہے' اردو میں نہیں کہ میٹرک پاس پڑھ لے۔'' جنید نے اس کی بات پر خاصہ محظوظ ہوتے ہوئے جواب دیا تھا۔ ''اچھا! ! ویسے یار! تجھے کبھی سمجھ میں آیا کہ جب ہماری ''قومی زبان'' اردو ہے تو ہمارے ملک میں ہر جگہ' ہر چیز انگلش میں کیوں لکھی جاتی ہے؟ یہ ڈاکٹرز' یہ لیبارٹری والے اور میڈیکل اسٹور والے سب اردو میں پرچہ لکھ دیں تو ملک کے ہر طبقے کے لیے سہولت ہو جائے' اِدھر اُدھر پرچہ پڑھوانے کے لیے بھاگنا نہ پڑے۔'' ہاشم نے دکھ سے کہا۔ ''تُو ٹھیک کہہ رہا ہے' مگر شاید ہماری قوم ہی سو چکی ہے۔'' جنید نے پھل کا شاپر پکڑتے ہوئے کہا اور مڑ گیا۔

❖

''اوہ ہو...! ! میں نے دودھ پر ڈھانپنے والی جالی بھی لی تھی' پتا نہیں کہاں گئی...؟؟'' ثوبیہ بیگم جو ذرا دیر قبل شاپنگ مال سے گھر کی اشیا کی خریداری کر کے گھر لوٹیں تھیں' سامان چیک کرتے ہوئے پریشانی سے گویا ہوئیں۔

''شاید وہیں مال میں رہ گئی ہو گی۔'' حمزہ نے سامان کو اِدھر اُدھر کر کے اچھی طرح دیکھتے ہوئے تبصرہ کیا۔

''بیگم! ذرا بِل میں دیکھو؟ جالی لکھی ہوئی ہے یا نہیں؟'' ؟حمزہ نے سوچتے ہوئے اپنی بیگم کو متوجہ کیا۔

''ہاں! دیکھتی ہوں بِل میں... مگر مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے کاؤنٹر پر جالی کے پیسے دیے تھے۔'' اپنے پرس کو ٹٹولتے ہوئے ثوبیہ بتا رہی تھیں۔

اوہو...! ! یہ بِل تو سارا انگلش میں ہے۔ ہمیں کیسے پتا چلے گا جالی کا...؟'' ثوبیہ پر خاصی بے زاری ایک دم اتر آئی تھی۔

''پتا نہیں یہ بل ''اردو'' میں کیوں نہیں بناتے؟'' تھکے ہوئے حمزہ نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے شاپنگ مال دوبارہ جانے کی تھکن سے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔

❖

''مِس! پانی پی آؤں...؟؟'' چھے سالہ ارسلان نے اپنی استانی کے قریب جا کر پوچھا تو پوری کلاس میں ایک زوردار ''تڑاخ...'' کی آواز کے ساتھ خاموشی چھا گئی۔

''کتنے دن ہو چکے ہیں تمہیں اسکول میں داخل ہوئے۔ ابھی تک سمجھ میں نہیں آئی کہ یہاں انگلش میں بات کرتے ہیں۔'' چھے سالہ ارسلان اپنی پیاس بھول کر تڑپتا ہوا اپنی جگہ پر بیٹھ گیا تھا۔

''جب تک انگلش میں پوچھنا نہیں آئے گا' تب تک پیاسا رہنا پڑے گا...؟''

❖

''یار...! یہ میسج تو پڑھ کر بتادے کہ کیا لکھا ہوا ہے؟'' راحیل نے اپنے دوست ثاقب کے سامنے اپنا موبائل کرتے ہوئے بڑی بے زاری سے کہا تھا۔

''کیا ہوا...؟'' ثاقب نے موبائل پکڑتے ہوئے ہنس کر پوچھا۔

''ہونا کیا تھا یار...! کل 500 کا کارڈ لوڈ کیا تھا۔ اب صرف 50 روپے پڑے ہیں۔ پتا نہیں کمپنی نے کون سا پیکج کر دیا۔ ابھی نمائندے سے کال پر بات کی تو کہنے لگا کہ ہم آپ کو میسج بھیج رہے ہیں۔ آپ دیکھ لیں ساری تفصیلات۔ یہ انگلش میں بھیج دی ساری تفصیل...5 جماعتیں تو پڑھ رکھی ہیں' اگر اردو ہوتی تو پڑھ لیتا۔'' راحیل اکتایا ہوا تھا۔ ثاقب اس کو بتانے لگا۔

''پتا نہیں کب ''اردو'' نافذ ہو گی قومی سطح پر...؟'' راحیل بڑبڑایا۔

❖

''آپ کہیں جارہے ہیں؟'' عاتکہ نے ڈریسنگ ٹیبل پر پڑی ٹکٹ کو دیکھ کر اپنے شوہر سے حیرت سے پوچھا۔

''ہوں...! !'' ذیشان نے اپنے جوتے کے تسمے کستے ہوئے مصروف انداز میں جواب دیا۔

''مگر کہاں...؟'' عاتکہ نے ٹکٹ کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ ''پڑھ لو! ٹکٹ پر لکھا ہوا ہے۔'' ذیشان نے مسکرا کر اسے چھیڑا۔

''ہاں! کہہ لیں آپ! پتا جو ہے کہ صرف دو جماعتیں پاس ہوں... اردو میں ہوتا تو پڑھ لیتی... پتا نہیں' جب ہماری ''قومی زبان'' اردو ہے تو یہ سب انگلش میں لکھتے ہی کیوں ہیں۔'' اب وہ ہمیشہ کی طرح اپنے ملک کے حکمرانوں سے ناراض تھی' جو ''قومی زبان'' کو نافذ نہیں کرتے۔

''اچھا! چلو چھوڑو... میں کمپنی کے کام سے اسلام آباد جا رہا ہوں۔ دو دن میں واپس آجاؤں گا۔'' ذیشان نے مسکرا کر اس کے گال کو ہلکا سا چھو کر بتایا تا کہ اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے۔

ائیرپورٹ پر جب اس کا نام خالص انگریزی لہجے میں پکارا گیا تو اس کو شدت سے عاتکہ کی یاد آگئی... واقعی ہم لوگوں نے ایک ضرورت کو اپنی مجبوری بنالیا ہے... ملک کی ترقی اور دنیا کا سامنا کرنے کے لیے انگلش زبان سیکھنی چاہیے' مگر اپنے ملک میں ہر جگہ انگریزی کا نفاذ چہ معنی دارد...'' اپنا بیگ گھسیٹتے ہوئے وہ مسلسل سوچ رہا تھا۔

❖

''میں تو اپنے بیٹے کو برٹش کو انٹر نیشنل میں لگاؤں گی۔ دیکھنا کیسے فَر فَر انگلش بولے گا۔'' صالحہ نے بڑے فخر سے اپنی نند کے سامنے اپنے ارادے کا اظہار کیا۔

''بھابھی! آٹھ دس ہزار تو ان انگلش میڈیم اسکولوں کی فیس ہوتی ہے۔ اتنی تو بھائی کی آمدنی نہیں... اور آپ کا ایک بیٹا تو نہیں' بیٹیاں بھی ہیں۔'' صالحہ کی نند حمیرا نے مخلصانہ انداز میں حقیقت پر مبنی بات کی تھی' مگر صالحہ کو بُری لگ گئی۔

''ہاں! ہاں! تم تو یہی چاہتی ہو نا کہ میرے بچے جاہل گوار رہیں اور تمہارے بچے پڑھ لکھ جائیں۔'' صالحہ نے تنک کر کہا۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا بھابھی! میرے بچے گورنمنٹ اسکولوں میں پڑھ رہے ہیں' کم از کم سرکاری اسکولوں میں بچے اپنی ''قومی زبان'' تو پڑھنا لکھنا جان لیتے ہیں اور انگلش بھی سکھائی جاتی ہے۔'' حمیرا نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''لو بھلا! اردو کا زمانہ ہی کب رہا ہے اب! اب تو ساری ترقی کا انحصار انگلش پر ہے۔ حمیرا کی بات پر صالحہ فوراً دوبدو بولی۔

''وہ تو ٹھیک ہے بھابھی... ابھی ہمارے ملک میں ترقی کا انحصار انگلش پر ہے' مگر پاکستانی ہونے کی حیثیت سے ہمارا یہ تو فرض بنتا ہے کہ ہم اپنے بچوں کو اپنی ''قومی زبان'' سیکھنے سکھانے سے محروم نہ کریں... یہ نسل ہمارے ملک کی بقا کا سبب ہے۔ اگر آج کی نسل کو اردو لکھنا پڑھنا نہیں آئے گی تو کل ہماری زبان اپنا وجود کھو دے گی۔'' حمیرا نے دل گرفتی سے کہا تھا' مگر صالحہ نے کوئی خاطر خواہ جواب نہیں دیا۔

❖

یہ اور اس طرح کے بے شمار مناظر پاکستان میں روزانہ وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ قوم کی اکثریت ملک و قوم سے محبت کی وجہ سے ''قومی زبان'' کی بقا کی خواہش مند ہے' مگر ''قومی زبان'' کی بقا اور تحفظ کے لیے آگے قدم بڑھانے کی کوئی تیاری نہیں ہے۔ جو قوم... اپنی ''قومی زبان'' کو فراموش کر دیتی ہے تو دنیا کے نقشے پر اس قوم کے ملک کا وجود اتنا ہی بے معنی ہو جاتا ہے۔ آج پاکستانی قوم کو اپنے ملک کی بقا کے لیے (جس میں ہمارے پُرکھوں کی لازوال قربانیاں شامل ہیں) اتحاد کی ضرورت ہے۔ کسی بھی قوم کے اتحاد کے اظہار کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے کہ سب ایک زبان ہو کر اپنے اتحاد کا اظہار کریں۔ جب تک پوری قوم... ''قومی زبان'' کے نفاذ کے لیے متحد ہو کر کھڑی نہیں ہو گی' تب تک ہمیں ایسے ہی حالات کا سامنا رہے گا' جن میں آج ہم سانس لے رہے ہیں۔ ضرورت صرف اپنی ''قومی زبان'' کے لیے ہمارے متحد ہونے کی ہے...!

PERVAIZ UMAR ENTERPRISE

Highly Experienced Clearing & Forwarding Agents
Advisors and Attorneys in Customs Cases

We are a leading CLEARING, FORWARDING concern operating in Pakistan. We excel to the entire satisfaction of our long list of clientele who have always reposted their complete confidence on us. Imbued with this sense of achievement, we are proud of our countrywide clientele of repute. We are approved and enlisted Clearing and Forwarding Agents of all Commercial and National Banks in Pakistan.

We have vast experience of handling more than 65% imports of Heavy Plants, Machinery and Turn-Key Projects of "Textile, Sugar, Cement and Power Sectors" besides other industrial raw material and commercial consignments, which have enabled us to adopt and handle all sorts of imports and have become our permanent business associates.

Head Office, Karachi
1st Floor, Commerce Centre, Hasrat Mohani Road
TEL: 021-32630724 - 32633641 FAX: 021-32633646
EMAIL: pervaizumar@hotmail.com
headoffice@pervaizumarenterprise.com

Branch Office, Lahore
19-G, Gulberg II, Lahore.
Tel: 042-35764929 - 35764933
Fax: 042-35764934

متضاد کہانی

معید بن مدیل، کراچی

ایک باغ میں ایک خرگوش مانو اور ایک بلی مومی رہتے تھے۔ خرگوش سفید اور بلی سیاہ رنگ کی تھی‘ بلی نرم پھلی کھاتی اور خرگوش سخت گاجر کھاتا تھا۔ بلی کو ٹھنڈا دودھ پسند تھا‘ جب کہ خرگوش گرم پانی پیتا تھا۔ خرگوش زیادہ تر بِل کے اندر رہتا تھا اور بلی باغ کے باہر رہتی تھی‘ بل کے اندر اندھیرا ہوتا اور بل کے باہر روشنی ہوتی تھی۔ خرگوش درخت کے نیچے کھیلتا تھا اور بلی درخت کے اوپر چڑھتی تھی۔ باغ کا دروازہ کبھی بند ہوتا تو کبھی کھلا ہوتا تھا۔

یہ کہانی لکھنا مشکل ہے‘ جب کہ اس کو پڑھنا آسان ہے۔ اب آپ بتائیں‘ آپ کو یہ کہانی اچھی لگی یا بری...؟؟

اردو کی اہمیت

شاذ مسعود، متعلم جامعہ بیت السلام کراچی

چھٹی کا دن تھا۔ موسم خوشگوار تھا۔ اللہ کی پیاری مخلوق پرندے اپنے رب کی تسبیح کرنے میں مشغول تھے۔ پھولوں کی مہک نے فضا کو اور زیادہ حسین بنا یا ہوا تھا۔ علی ناشتہ کر کے اپنے چچا کے کمرے میں آیا‘ اس کے چچا اخبار پڑھنے میں مصروف تھے۔ ”السلام علیکم! چچا جان۔“ علی نے کہا۔ ”وعلیکم السلام! بیٹا کیا حال ہے؟“ چچا نے جواب دیا۔ ”ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں۔“ علی نے پوچھا۔ ”میں بھی ٹھیک ہوں بیٹا! تم سناؤ کیسے آنا ہوا؟“ چچا نے پوچھا۔ ”چچا جان! میں آپ سے اردو ادب کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔“ علی نے آنے کا مقصد بیان کیا۔ ”پوچھو بیٹا! آپ کیا پوچھنا چاہتے ہو؟“ چچا نے کہا۔ ”چچا جان! ۹ جنوری کو ہمارے اسکول میں اردو ادب کے بارے میں تقریب ہے‘ جس میں مجھے تقریر پیش کرنی ہے‘ جس میں موجودہ زمانے کے مشہور ادبا شامل ہوں گے۔“ علی نے وضاحت بیان کی۔ ”بیٹا! جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ اردو ایک لشکری زبان ہے اور اردو کے لفظی معنی ”لشکر“ ہے۔“ چچا نے کہا۔

”چچا جان! اردو میں کتنی زبانیں شامل ہیں؟“ علی نے سوال کیا۔ ”بیٹا! اردو میں تقریباً 17 زبانیں شامل ہیں‘ جیسا کہ عربی اور فارسی وغیرہ ہیں۔“ چچا نے جواب دیا۔ ”چچا جان! اردو کو کن شخصیات سے فروغ حاصل ہوا؟“ علی نے سوال کیا۔ ”بیٹا! جنہوں نے اردو ادب کو فروغ دیا‘ ان میں ڈپٹی نذیر احمد‘ میر امن دہلوی‘ عبد الحلیم شرر اور محمد حسین آزاد جیسی شخصیات قابلِ ذکر ہیں۔“ چچا نے تفصیل سے بتایا۔

”چچا جان! بس آخری سوال ...وہ یہ کہ اردو زبان سیکھنا مشکل ہے یا آسان؟“ علی نے پوچھا۔ بیٹا! ویسے ہر زبان سیکھنا مشکل ہے‘ لیکن اردو زبان ایک لشکری زبان ہے‘ جس کے بارے میں ایک مشہور و معروف شاعر داغؔ دہلوی نے کہا ہے:

کھیل نہیں اے داغؔ! یاروں سے کہہ دو
آتی ہے اردو زبان آتے آتے

جس کا کام اسی کو ساجھے

ڈاکٹر الیاس روحی

محاورہ

محاورہ لغت میں بول چال اور بات چیت کو کہتے ہیں۔اس میں الفاظ اپنے حقیقی معنوں میں استعمال نہیں ہوتے، جیسے ''جامن کھانا اور قسم کھانا''۔ پہلے جملے میں کھانا حقیقی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔دوسرے جملے میں ایسا نہیں ہے۔پس دوسرا جملہ محاورہ ہے۔ محاورے کے الفاظ میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی جاتی، ورنہ محاورہ غلط قرار پائے گا

کسی گاؤں میں ایک شخص رہتا تھا، جو باتیں بہت کرتا تھا۔لوگ اسے باتونی کہتے تھے۔وہ سنتا کم اور بولتا زیادہ تھا۔دوسروں کو بولنے کا موقع ہی نہیں دیتا تھا، دوسرے اسے صرف باتیں کرتا دیکھتے رہتے تھے۔باتونی ایک کمہار تھا۔ مٹی کے گھڑے، صراحیاں، پیالے، تھال، کٹورے وغیرہ بیچتا تھا۔گاؤں میں ایک درخت کے نیچے چھپڑ ڈال کر بیٹھا رہتا تھا۔جب کوئی خریدار آتا تو گھنٹوں اس سے باتیں کرتا رہتا تھا۔کچھ خریدار سامان خریدتے اور کچھ گاہک اس کی اتنی باتوں کے بعد تنگ آکر اپنے گھر کا راستہ لیتے۔اس طرح باتونی تھوڑا بہت کماتا تھا۔اس کے بیوی بچے بڑی مشکل سے گزارہ کرتے تھے اور پریشان رہتے تھے، لیکن باتونی کو کسی بات کی پرواہ نہیں تھی، وہ تو ہر وقت خوش باش رہتا تھا اور بڑی بڑی باتیں کرتا رہتا تھا۔لوگ اس کی باتیں سن کر حیران ہوتے تھے، وہ اپنے آپ کو گئے وقتوں میں کسی زمیندار کا بیٹا بتاتا تھا۔اس کی درجنوں زمینیں تھیں۔ کئی ایکڑ پر کھیت تھے۔ہزاروں کسان ان کی زمینوں پر کھیتی باڑی کرتے تھے، ان کی ایک بڑی حویلی تھی، جس میں سینکڑوں نوکر چاکر تھے، گائیں بھینسوں کے کئی باڑے تھے۔گاؤں کے ہر گھر میں دودھ انہی باڑوں سے جاتا تھا۔ کئی کلو دودھ تو وہ صبح شام پی جاتا تھا۔

اسے ایسی باتیں کرتا دیکھ کر لوگ اس کا حلیہ دیکھنے لگ جاتے تھے۔ٹوٹی چپل اور پھٹے پرانے کپڑے پہننے والا یہ شخص لطیفہ تھا۔پیٹھ پیچھے سب اس کی باتوں پر ہنستے تھے۔باتونی کا گھر نالے کے قریب تھا۔ چھت کھجور کے پتوں کی تھی۔ فرش کچی مٹی کا تھا۔گھر کم، ایک جھگی زیادہ معلوم ہوتا تھا۔جب باتونی اپنے گھر آتا تو بھوکے پیاسے بیوی بچوں سے بھی بڑی بڑی باتیں کرتا، وہ کہتا تھا کہ لاکھوں روپے اس نے لوگوں کو قرض دے رکھے ہیں۔وہ لوٹائیں گے تو گھر کا بہت سا سامان اور بچوں کے لیے کھلونے لائے گا۔اسے ہزاروں روپے کا فائدہ ہونے والا ہے، تب وہ بچوں کو اسکول بھی داخل کروائے گا۔وہ اس طرح کی باتوں سے ان کا پیٹ بھرنا چاہتا تھا۔آخر ایک روز تنگ آکر، اس کی بیوی نے برتنوں کا ٹوکرا لیا اور مٹی کے برتن بیچنے گاؤں کے بازار چلی گئی۔ باتونی دوستوں کے پاس سے شام کو باتیں بنا کر اٹھا اور گھر چلا آیا، جہاں اس کے چھوٹے چھوٹے بچے بھوکے تھے اور رو رہے تھے۔آخر باتونی کو چولہا جلانا پڑا اور گھر میں رکھے ہوئے تھوڑے سے آٹے کی آڑی ترچھی اور جلی ہوئی روٹیاں پکانی پڑیں، جسے بچوں نے بڑی مشکل سے کھایا۔روٹی پکاتے ہوئے اس کا ہاتھ بھی جل چکا تھا، اسے احساس ہوا کہ گھر کے کام کرنا آسان کام نہیں ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب اس کی بیوی آئی تو بہت تھکی ہوئی تھی۔چند پیسے اس نے کمائے تھے، ساتھ چڑچڑا پن بھی دکھائی دے رہا تھا۔بازار میں پھرنے کی وجہ سے اس کے پاؤں میں زخم پڑ گئے تھے۔دوسرے روز صبح سویرے باتونی مٹی کے سارے برتن فروخت کرنے بازار لے گیا اور بہت سی رقم کما کر لایا، تب اس نے بیوی سے کہا:

''کسی نے سچ کہا ہے کہ ''جس کا کام، اسی کو ساجھے۔''تم اب گھر سنبھالنا اور میں باتیں کم اور کام زیادہ کروں گا۔''اس طرح اس کے بیوی بچے بھی ہنسی خوشی رہنے لگے۔

جس کا کام اسی کو ساجھے: ہر کام ہر شخص نہیں کر سکتا۔ **جھگّی:** جھونپڑی۔ **کمہار:** برتن بنانے والا۔ **گاہک:** خریدار۔۔

مکس چٹنی

''آہ...اتنا ہیوی پنچ کیوں مارا یار...؟ مذاق کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔''طلحہ کے اچانک مکّا رسید کرنے پر ارشد نے تلملاتے ہوئے کہا۔

''اچھا تو اس کو تم AV پانچ کہتے ہو۔واہ کیا زبردست نام ہے!''

''AV پانچ نہیں... ہیوی پنچ' ہیوی پنچ۔''ارشد اس کی حرکتوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ہجّے کر کے سمجھانے لگا۔''اچھا! ہیوی پنچ۔ مطلب باثر مکّا!''طلحہ ایسے سر ہلانے لگا جیسے کوئی بڑی مشکل گتھی سلجھا دی گئی ہو۔

''اچھا ہوا اسد بھی آگیا اور آج سنڈے بھی ہے' کہیں پکنک کا پروگرام بناتے ہیں۔''ارشد نے اسد کو دیکھتے ہی چہک کر کہا۔ابھی اسد بولنے بھی نہ پایا تھا کہ جواب طلحہ کی طرف سے آیا: ''مگر یہ ''پکنک کا پروگرام'' بنتا کس سے ہے...؟''طلحہ نے ٹھوڑی پر ہاتھ رکھ کر ارشد کی طرف دیکھا تو اسد اور ارشد کی بے اختیار ہنسی چھوٹ گئی۔

''میرے بھولے بھالے بھائی! یہ کوئی گارے سے بننے یا ہانڈی میں بننے والی چیز نہیں ہے جو تم ''کس سے بنتی ہے؟'' کہہ رہے ہو۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ ''کہیں سیر پہ جانے کا منصوبہ بنانا۔''ارشد نے ہنستے ہوئے کہا۔''اچھا! ٹھیک ہے' لیکن جائیں کہاں...؟؟''

طلحہ کا بڑا سا سر پھر جنبش میں آگیا تھا۔آج تو دیر بھی ہو گئی ہے۔

اگلے سنڈے کو کہیں دور جائیں گے۔آج قریبی پکنک پوائنٹ جاتے ہیں۔''ارشد تفصیل بتاتے ہوئے اٹھا تو طلحہ انگلی دانتوں میں دبائے اس نئی پہیلی کو حل کرنے کی کوشش کرنے لگا' جسے ارشد نے صاف محسوس کر لیا۔اسد کا ہنس ہنس کہ برا حال ہو گیا۔

طلحہ اور اسد دونوں بچپن سے دوست ہیں' جب کہ ارشد ان کے پڑوس میں اسی ماہ نیا آیا تھا' اور یہ دونوں جلد ہی اپنے ہم عمر پڑوسی کے ساتھ گھل مل گئے تھے' مگر دونوں کو اس کی ایک عادت ایک آنکھ نہ بھاتی تھی اور وہ تھی ارشد کا اردو کو مکس چٹنی بنانا۔وہ دونوں آج کل اسی بات کو سوچ رہے تھے کہ کسی طرح ارشد کو محسوس بھی نہ ہو اور اسے اپنی غلطی بھی پتا چل جائے۔

''اسد! اسد...!!''ارشد تقریباً بھاگتا ہوا آیا۔

''کیوں؟ کیا ہوا؟''اسد اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

''طلحہ کہاں ہے؟''ارشد نے اِدھر اُدھر گردن گھماتے ہوئے کہا۔

''وہ آ رہا ہے۔''اچانک طلحہ کے نمودار ہونے پر ارشد اس کی طرف دوڑتا ہوا لپکا۔

''یہ' یہ میں کیا سن رہا ہوں؟''ارشد نے طلحہ کا راستہ بالکل بند کر دیا۔

''مجھے کیا پتا تم کیا سن رہے ہو؟ اور مجھے آگے تو بڑھنے دو۔''طلحہ کا وہی مزاحیہ انداز تھا۔

''تم نے EnglishEssay Writting میں پہلی پوزیشن حاصل کی ہے۔جب تمہیں انگریزی آتی ہے تو پھر اتنے دِنوں سے مجھے بے وقوف بنانے کا ڈرامہ کیوں کر رہے تھے؟''ارشد کی آنکھوں میں بَلا کا غصّہ تھا۔

''ہاہاہا...یہ سب...''طلحہ نے اتنا ہی کہا تھا کہ اسد آگے بڑھا۔

''میں بتاتا ہوں...ہم نے الحمد للہ! انگلش سیکھی ضرور ہے...''اسد نے ابھی بات مکمل نہ کی تھی کہ طلحہ بول اٹھا۔''لیکن اس کو سر پہ نہیں چڑھایا۔''

اسد نے طلحہ کی طرف گھور کر دیکھا' جو اپنی ہنسی دبانے کی کامیاب کوشش کر چکا تھا۔چلتے چلتے وہ قریبی پارک کی ایک بینچ پہ بیٹھ چکے تھے۔اسد نے دوبارہ اپنی بات شروع کی: ''ہم ایک آزاد اور خود مختار قوم ہیں اور ایک آزاد وطن میں رہ رہے ہیں۔''

''ایسا ہے کہ نہیں؟''طلحہ پھر بیچ میں ٹپک پڑا تھا' جس پہ اسد اور ارشد کی بے اختیار ہنسی نکل گئی۔''ہماری ایک اپنی تاریخ ہے' اپنی پہچان ہے' اپنا لباس ہے' اپنے اطوار ہیں' لیکن ہم ابھی تک اپنے آپ کو متعارف نہیں کرا سکے ہیں' کیوں؟ باتیں ہم غیروں کی زبان میں کرتے ہیں' جس کو ہم نے 70 سال پہلے اپنے ملک سے نکال دیا تھا۔طور طریقے ان کے اپناتے ہیں' بل کہ اس پر فخر بھی کرتے ہیں تو پھر اس کو ملک سے نکالنے کا کیا مقصد تھا آخر؟''اسد جذبات میں آ چکا تھا۔''ہمارے اکابر' علما اور شہدا نے آزادی کی خاطر اپنی جانیں' اپنی عزتیں قربان کر دیں۔اس کا کیا مقصد تھا آخر؟ یہی کہ انگریز نے ہم سے ہماری پہچان چھیننے کی کوشش کی' آزادی سلب کرنے کی کوشش کی' ہماری تہذیب کو گندا کرنے کی ناپاک جسارت بھی کی۔قربانیوں کے خون سے آئے سیلاب سے انگریز تو بہہ گیا' مگر؟؟''

''یار! وقت زیادہ ہو گیا ہے۔مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔''طلحہ نے مصنوعی خفگی سے کہا۔''نہیں' ایسے نہیں جانے دوں گا۔سب سے پہلے تمہیں میری پارٹی اٹینڈ...

اوہ! میرا مطلب ہے کہ ... میری دعوت میں شرکت کرنی ہو گی' جو اس کیفے ٹیریا...

اوہ! میرا مطلب ہے کہ...اس قہوہ خانے میں ہو گی۔''ارشد نے اُردو میں بات کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''اوکے۔۔۔اوہ! میرا مطلب ہے کہ... ٹھیک ہے۔''طلحہ نے بالکل ارشد کے انداز میں کہا تو دونوں کھِلکھِلا کر ہنس پڑے۔

بچوں کے فن پارے

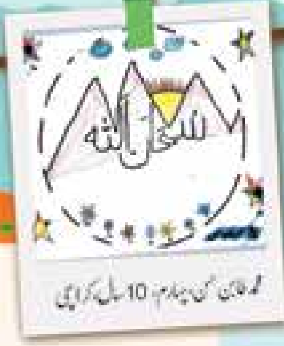
محمد طلحہ حسن بن ہارون، 10 سال، کراچی

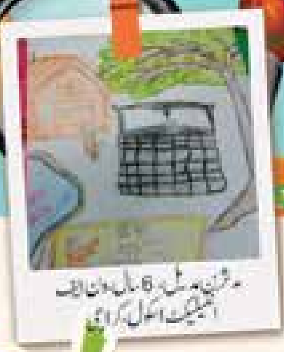
مدثر بن مرسل، 6 سال، دی ایف انٹیلیجنٹ اسکول، کراچی

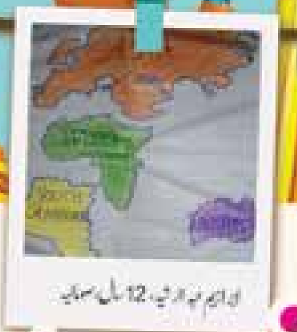
ام ایمن عبد الرشید، 12 سال، ساہیوال

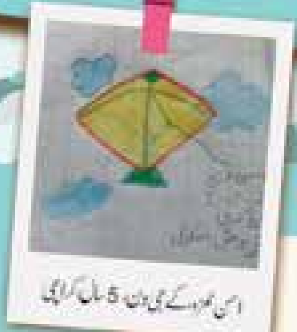
انس عمر ولد کے جی ون، 5 سال، کراچی

محمد رحمان، ہشتم، 12 سال، کراچی

مبشرہ ولد، 8 سال، انٹیلیجنٹ اسکول، کراچی

اریبہ وسیم، 12 سال، ہشتم، کراچی

عبد اللہ جمال، 9 سال، حفظ، کراچی

حدیبیہ عرفان، ہشتم، 12 سال، کراچی

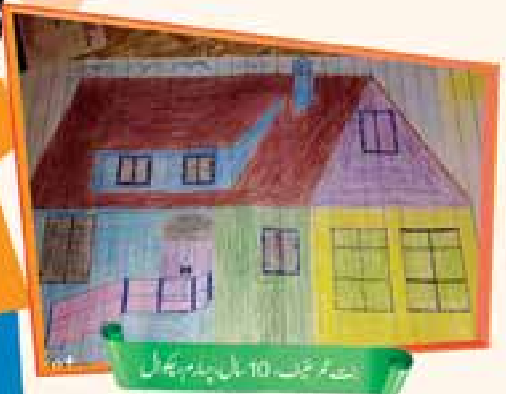
بنت محمد حنیف، 10 سال، پنڈ دادن خان

ماں

اے اندھیرے دیکھ لے منہ تیرا کالا ہوگیا
ماں نے آنکھیں کھول دیں، گھر میں اُجالا ہوگیا
اس طرح سے وہ گناہوں کو دھو دیتی ہے
ماں بہت غصے میں ہوتی ہے تو وہ رو دیتی ہے
بلندیوں کا بڑے سے بڑا نشان چھوا میں نے
اُٹھایا گود میں ماں نے تب آسمان چھوا میں نے
کسی کو گھر ملا حصے میں یا کوئی دکاں آئی
میں گھر میں سب سے چھوٹا تھا، میرے حصے میں ماں آئی
بہت جی چاہتا ہے کہ قیدِ جہاں سے ہم نکل جائیں
تمہاری یاد بھی لیکن اس جہاں میں رہتی ہے
ایسا قرض ہے جو میں ادا کر ہی نہیں سکتا
میں جب تک گھر نہ لوٹوں، میری ماں سجدے میں رہتی ہے
میری خواہش ہے کہ میں پھر سے فرشتہ ہو جاؤں
ماں سے اس طرح لپٹ جاؤں کہ بچہ ہو جاؤں
کم سے کم بچوں کے ہونٹوں کی ہنسی کی خاطر
ایسی مٹی میں ملانا کہ کھلونا ہو جاؤں
مجھ کو ہر حال میں بخشے گا اُجالا اپنا
چاند رشتے میں نہیں لگتا ماما اپنا
میں نے روتے ہوئے پونچھے تھے کسی دِن آنسو
مُدتوں ماں نے نہیں دھویا دوپٹہ اپنا
میں نے کل شب چاہتوں کی ساری کتابیں پھاڑ دیں
صرف ایک کتاب پر لکھا لفظ "ماں" رہنے دیا
اے اندھیرے دیکھ لے منہ تیرا کالا ہوگیا
ماں نے آنکھیں کھول دیں، گھر میں اُجالا ہوگیا

مرسلہ: محمود شفیق، 9سال، کراچی

ماہنامہ فہم دین جنوری کے نئے سوالات

سوال نمبر1: ٹیپو سلطان کے والد کا نام کیا تھا؟

سوال نمبر2: حسن اور ربیع کی ماؤں نے ایک دوسرے کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

سوال نمبر3: "اگر مجھے اپنی کامیابی نظر آئی تو تم میرے چہرے پر مسکراہٹ دیکھو گے۔" موت کے وقت یہ الفاظ کس بزرگ کے تھے؟

سوال نمبر4: کون سی صحابیہ بارہ سال کی عمر میں قرآن مجید کی حافظہ ہو گئیں اور قراءتِ سبعہ پر عبور بھی حاصل کر لیا تھا؟

سوال نمبر5: گولو کی بہن کا کیا نام تھا؟

نومبر کے سوالات کے جوابات

سوال نمبر1: روٹی

سوال نمبر2: مکھی۔

سوال نمبر3: معیز

سوال نمبر4: منہ کے اندر چھالے۔

سوال نمبر5: حضرت سفیان ثوریؒ

نومبر کے سوالات کا درست جواب دے کر انعام جیتنے والے تین خوش نصیبوں کے نام

1...فاطمہ خالد، 13 سال، حفظ، کراچی
2...خولہ خالد، 15 سال، درس نظامی، کراچی
3...مہک، 15 سال، نہم، کراچی

ان میں سے ہر ایک کو 300 روپے نقد اور ماہنامہ فہم دین مبارک ہو۔

نوٹ: آپ کا بنایا ہوا پیارا سا فن پارہ ہو یا سوالات کے جوابات ہوں اس کے ساتھ اپنا نام، عمر، کلاس، ایڈریس اور فون نمبر ضرور لکھیے گا، ورنہ وہ قابلِ اشاعت نہیں ہوگا۔ اور پھر اسے ماہنامہ فہمِ دین کے ایڈریس پر پوسٹ کر دیں، یا پھر وٹس ایپ کے ذریعے 0304-0125750 پر ہمیں سینڈ کردیں۔

نوٹ: پیارے بچو! اس صفحے پر جو سوالات آپ سے پوچھے جاتے ہیں، ان کے جوابات ایک شمارہ چھوڑ کر اگلے شمارے میں ذکر کیے جائیں گے، تاکہ زیادہ سے زیادہ بچوں کے جوابات وصول ہو سکیں، پھر درست جواب دینے والوں کے نام بھی بتائیں گے اور اوّل، دوم، سوم کے لیے انعامات کا بھی۔

موج تبسم

قاتل سپاہی اور گوار کی پھلی

ابنِ تبسم

مزینہ بنت عبدالحافظ کراچی سے ''گل نوخیز اختر کی نوخیزیاں سے اقتباس'' لکھتی ہیں : دوپہر کے ساڑھے بارہ بجے ہیں' جون کا مہینہ ہے۔ سمن آباد میں ایک ڈاکیا پسینے میں شرابور' بوکھلایا بوکھلایا سا پھر رہا ہے۔ محلّے کے لوگ بڑی حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ اصل میں آج اس کی ڈیوٹی کا پہلا دن ہے' وہ کچھ دیر اِدھر اُدھر دیکھتا ہے' پھر ایک پرچون والے کی دکان کے پاس سائیکل کھڑی کرکے دکان دار کی طرف بڑھتا ہے۔

''قاتل سپاہی کا گھر کون سا ہے؟'' اس نے آہستہ سے پوچھا۔

دکاندار کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی' اس کی آنکھیں خوف سے اُبل پڑیں : ''قق' قاتل سپاہی! مم مجھے کیا پتا...؟'' اس نے جلدی سے دکان کا شٹر گرا دیا۔

ڈاکیا پھر پریشان ہوگیا' اس نے بہت کوشش کی کہ کسی طریقے سے قاتل سپاہی کا پتا چل جائے' لیکن جو کوئی بھی اس کی بات سنتا' جُھبکے سے کھِسک جاتا۔ ڈاکیا نیا تھا' نہ جان نہ پہچان اور اوپر سے قاتل سپاہی کے نام کی رجسٹری...! ! آخر وہ کرے تو کیا کرے؟ کہاں سے ڈھونڈے قاتل سپاہی کو؟ اس نے پھر نام پڑھا' نام اگرچہ انگلش میں تھا' لیکن آخر وہ بھی مِڈل پاس تھا۔ تھوڑی بہت تو انگلش سمجھ سکتا تھا' بڑے واضح الفاظ میں ''قاتل سپاہی' غالب اسٹریٹ سمن آباد'' لکھا ہوا تھا۔ دو گھنٹے تک گلیوں کی خاک چھاننے کے بعد وہ ہانپنے لگا۔ پہلے روز ہی اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اب وہ اپنے پوسٹ ماسٹر کو کیا منہ دکھائے گا...؟؟ اس کا حلق خشک ہوگیا اور پانی کی طلب محسوس ہوئی تو وہ بے اختیار اٹھا اور گھر کے دروازے پر لگی بیل پر انگلی رکھ دی۔ اچانک اسے زوردار جھٹکا لگا۔ جھٹکے کی اصل وجہ یہ نہیں تھی کہ بیل میں کرنٹ تھا' بل کہ بیل کے نیچے لگی ہوئی پلیٹ پر انگلش میں ''قاتل سپاہی'' لکھا ہوا تھا۔ خوشی کی لہر اس کے اندر دوڑ گئی۔ اتنی دیر میں دروازہ کھلا اور ایک نوجوان باہر نکلا۔ ڈاکیے نے جلدی سے رجسٹری اس کے سامنے کر دی۔

''کیا آپ کا ہی یہ نام ہے؟'' نوجوان نے نام پڑھا اور کہا : ''نہیں یہ میرے دادا کا نام ہے۔'' ''کیا نام ہے ان کا؟'' ڈاکیے نے جلدی سے پوچھا۔

''Qatil Shiphai قتیل شِفائی...! !''

ڈیفنس سے عفان الحق شمسی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم ایک جگہ مدعو کیے گئے' جب ہم وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ کچھ اور لوگ بھی مدعو ہیں۔ کھانے کا وقت ہوا تو کھانے میں ایک ڈش گوار کی پھلی بھی تھی' چوں کہ خاتونِ خانہ اور مہمان خاتون انگریزی تکلم پر مہارت رکھتی تھیں' اس لیے انگریزی ہی میں گفتگو کر رہی تھیں' اگرچہ ہم بھی انگریزی سمجھتے تھے' لیکن اس میں بات کرنا محال تھا۔ اسی اثنا میں مہمان خاتون نے خاتونِ خانہ سے پوچھا :

''واٹ اِزاِن ڈیٹ ڈش (what is in that dish) اس ڈش میں کیا ہے؟''

''اِٹس بینس آف گُوار (its beans of guwar) یہ گوار کی پھلی ہے۔'' وہ بغیر سوچے بے اختیار بول اٹھیں۔

یہ سن کر سب کی یک دم ہنسی چھوٹ گئی۔ اتنے میں ایک عزیز کہنے لگے :

''آپ نے گوار کی پھلی کو اچھی پینٹ شرٹ پہنائی ہے۔'' یہ جملہ سن کر مجلس کِشتِ زعفران بن گئی۔

مائی ڈیئر قارئین! ! اُف... یہ کیا... میرا مطلب' میرے انتہائی معزز قارئین! ! موج تبسم کے سلسلے میں برائے مہربانی ایسی تحریریں بھیجیں' جنہیں پڑھ کر ہنسی لبوں پر مچلنے لگے... آپ دیکھیں نا' اوپر ذکر کردہ دو تحریریں ایک میں ''قاتل سپاہی'' اور دوسری میں ''گوار کی پھلی'' مسکراہٹ کے بجائے' کچھ سوچنے پر مجبور کرتی ہیں اور ہمیں موج تبسم کے صفحہ پر سوچنا نہیں' بل کہ صرف مسکرانا ہے... مسکرانا ہے... اور بس مسکرانا ہے۔

چلیں! آج کے موج تبسم میں ہم ایسے ہی مسکرائے دیتے ہیں... اُہووو... آپ تو مسکرا ہی نہیں رہے! ! چلیں ایک وعدہ آئندہ ایسی سنجیدہ تحریریں ہم شائع نہیں کریں گے۔

چلیں ایک لطیفہ ہو جائے : ''ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ بلاوجہ مسکرا رہے تھے۔ پتا ہے نا کیوں مسکرا رہے تھے... اب یاد آیا نا... ہاہاہاہاہا''

The Burger Shack

AMAZING DEALS

DEAL 1
1 SHACK ORIGINAL
1 JALAPENO CRUNCH
1 ONION RING
1 FRIES
2 DRINKS
Rs. 600

DEAL 2
1 SHACK ORIGINAL
1 FULLHOUSE
1 JALAPENO CRUNCH
1 CLASSIC CRUNCH
1.5 ltr DRINK
Rs. 960

*Inclusive of all taxes.

FREE DELIVERY TO FORUM OFFICES
+92 316 2129696

Khayaban-e-Seher,DHA | Shaheed-e-millat
Zamzama | The Forum Mall | Lucky One Mall

www.burgershack.org

کاروانِ اردو

شاعر علی شاعر

چرچا ہر ایک آن ہے اردو زبان کا
گرویدہ کل جہان ہے اردو زبان کا

اس لشکری زبان کی عظمت نہ پوچھیے
عظمت تو خود نشان ہے اردو زبان کا

گم نامیوں کی دھوپ میں جلتا نہیں کبھی
جس سر پہ سائبان ہے اردو زبان کا

مشرق کا گلستاں ہو کہ مغرب کا آشیاں
ویران کب یہ مکان ہے اردو زبان کا

سوداؔ و میرؔ و غالبؔ و اقبالؔ دیکھ لو
ہر ایک پاسبان ہے اردو زبان کا

اردو زبان میں ہے گھلی شہد کی مٹھاس
لہجہ بھی مہربان ہے اردو زبان کا

ترویج دے رہا ہے جو اردو زبان کو
بے شک وہ باغبان ہے اردو زبان کا

مہمان کہہ رہا ہے بڑا خوش نصیب ہے
جو شخص میزبان ہے اردو زبان کا

یہ ارضِ پاک صورتِ کشتی ہے دوستو!
اور اس میں بادبان ہے اردو زبان کا

لوگو! کہیں بھی اس میں پس و پیش کچھ نہیں
اک معترف جہان ہے اردو زبان کا

بولی ہے رابطے کی یہی جوڑتی ہے دل
ہر دل میں ایسا مان ہے اردو زبان کا

روشن ہے حرف حرف مفہوم اس کا آفریں
شیریں سخن بیان ہے اردو زبان کا

وسعت پذیر دامنِ اردو ہے آج بھی
ہر گوشہ اک جہان ہے اردو زبان کا

کرتا ہے آبیاری لہو سے ادیب جو
وہ دل ہے، جسم و جان ہے اردو زبان کا

آئیں رکاوٹیں جو ترقی میں اس کی کچھ
یہ امتحان ہے اردو زبان کا

پائے گا جلد منزلِ مقصود بالیقیں
جاری جو کاروان ہے اردو زبان کا

عزت سخنورانِ ادب کی اسی سے ہے
شاعرؔ بھی ترجمان ہے اردو زبان کا

سارے جہاں میں اپنی ترجمان ہے اردو

جوہر عباد

سارے جہاں میں اپنی ترجمان ہے اُردو
اِس پاک سر زمین کی پہچان ہے اُردو

وسعت میں اس زبان کی ملتی نہیں نظیر
دنیا کی پانچویں بڑی زبان ہے اُردو

کتنی ہی ہیں صوبائی، علاقائی زبانیں
اِن سب میں مگر رکھتی جُدا شان ہے اُردو

سمجھی و بولی جاتی ہے یہ پاک و ہند میں
برّصغیر کی تو جیسے جان ہے اُردو

ہر لفظ سمو لینے کی اِس میں خاصیت ہے
کہتے ہیں جبھی لشکری زبان ہے اُردو

ہو نظم، نثر، شاعری، افسانے یا ناول
ہر ایک صنف میں ہی کامران ہے اُردو

کرتی ہے یہ نمائندگی ملک و قوم کی
اقوامِ عالم میں ہمارا مان ہے اُردو

ہر ایک نئے لفظ کو اپنانے کے لیے
تیار ہر ایک لحظہ، ہر اِک آن ہے اُردو

ہم کو پسند ہیں دنیا کی بس دو ہی زبانیں
عربی کے بعد سب سے عالی شان ہے اُردو

جوہرؔ ہے سچ کہ اہلِ پاکستان کے لیے
ہے باعثِ فخر قومی زبان ہے اُردو

گلدستہ

حمدِ باری تعالیٰ

کر رہے ہیں تِری ثنا خوانی
سوچتی دھرتی، بولتا پانی
تُو ہے آئینۂ ازل یا رب!
اور میں ہوں اَبد کی حیرانی
تیرے جلووں کے دم سے لیل و نہار
تیرے سورج کی سب درخشانی
گونجتا ہے ثنا کے نغموں سے
گنبدِ جاں ہے میرا نورانی
پار ہوتی نہیں مِرے مولا
درد کی سرحدیں ہیں طولانی
تجھ سے بخشش کا ہے تمنائی
تیرا بندہ صبیح رحمانی

صبیح رحمانی

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

لب پر نعتِ پاک کا نغمہ، کل بھی تھا اور آج بھی ہے
میرے نبی سے میرا رشتہ، کل بھی تھا اور آج بھی ہے
پست وہ کیسے ہو سکتا ہے جس کو حق نے بلند کیا
دونوں جہاں میں ان کا چرچا، کل بھی تھا اور آج بھی ہے
اور کسی جانب کیوں جائیں، اور کسی کو کیوں دیکھیں
اپنا سب کچھ گنبدِ خضرا، کل بھی تھا اور آج بھی ہے
جس کے فیض سے بنجر سینوں نے شادابی پائی ہے
موج میں وہ رحمت کا دریا، کل بھی تھا اور آج بھی ہے
فکر نہیں ہے ہم کو کچھ بھی، دُکھ کی دھوپ کڑی تو کیا
ہم پر ان کے فضل کا سایہ، کل بھی تھا اور آج بھی ہے
بتلا دو گستاخ نبی کو، غیرتِ مسلم زندہ ہے
ان پر مر مٹنے کا جذبہ، کل بھی تھا اور آج بھی ہے
جن آنکھوں نے طیبہ دیکھا، وہ آنکھیں بے تاب ہیں پھر
اِن آنکھوں میں ایک تقاضا، کل بھی تھا اور آج بھی ہے
سب ہو آئے ان کے در سے، جا نہ سکا تو ایک صبیحؔ
یہ کہ اِک تصوّرِ تمنّا، کل بھی تھا اور آج بھی ہے

صبیح رحمانی

ہندوستانی مسلمانوں کی ایک خوش قسمتی

یہاں کے علما نے کسی دَور میں بھی زبان و ادب سے اپنے کو غیر متعلق اور بیگانہ نہ ہونے دیا'انھوں نے ایسا نظامِ تعلیم بنا دیا 'جس نے پڑھے لکھے طبقہ کو پیدا کیا'اس میں دین اور زبان و ادب دونوں ملے ہوئے تھے۔اس وقت کا نصاب اٹھا کر دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ علما نصاب کی کتابوں کے ذریعے زبان کی ضروری چیزوں سے واقف ہو جاتے تھے۔

میں آپ کو ایک مثال دوں'دہلی میں مشاعرہ ہونے والا تھا 'استاذ ذوقؔ نے شاہ نصیرؔ کی غزل پر غزل کہی اور شاہ نصیرؔ کو دکھائی۔شاہ نصیرؔ نے دیکھا تو اس میں ہمسری اور مقابلہ کی کوشش تھی' تو شاہ نصیرؔ نے ایسا طرز اختیار کیاکہ استاذ ذوقؔ کو شبہ ہوگیا کہ اس میں خامیاں ہیں'تو انھوں نے یہ غزل شاہ عبد العزیزؒ کے پاس بھیجی کہ حضرت فرمائیں کہ اس میں کچھ خامیاں تو نہیں ہیں۔شاہ صاحب نے دیکھا اور یہ کہہ کر بھیج دیا کہ بے تکلّف اطمینان کے ساتھ یہ غزل پڑھی جائے ۔شاہ عبد العزیزؒ کا یہ کہہ دینا کافی تھا اور اس کے بعد ضرورت نہیں سمجھی گئی کہ کسی اور کو دکھائی جائے۔آپ خیال کیجیے کہ استاذ ذوقؔ جو بادشاہ کے بھی استاد ہیں اور صاحبِ "آبِ حیات" کے استاد ہیں اور کتنے استادوں کے استاد ہیں اور شاہ نصیر الدینؒ کے زمانہ کے استاد ہیں 'لیکن ایک خالص عالمِ دین ' محدّثِ وقت'فقیہ دوراں کے محاکمہ پر اطمینان کر لیتے ہیں۔یہ خوش قسمتی تھی یہاں کے مسلمانوں کی کہ یہاں کے علمائے دین 'زبان و ادب اور شاعری کے جدید اسلوب سے الگ نہیں ہوئے'جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نئی نسل اس خطرہ سے بچ گئی'جس سے دوسری جگہوں پر دوچار ہونا پڑا۔

آپ کو معلوم ہے کہ عمارتِ اردو کے چار ستون ہیں یعنی علامہ شبلیؒ مولانا محمد حسین آزادؒ ڈپٹی نذیر احمد اور مولانا حالیؒ۔یہ سب طبقۂ علما سے ہیں'جنھوں نے قدیم نصاب کی کتابیں پڑھیں اور ضروری حد تک دین و ادب دونوں سے واقف تھے۔

(سید ابوالحسن علی ندویؒ طالبانِ علومِ نبوت کا مقام' 140-139)

ابتدائی اردو تعلیم

شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:
میرے بچپن میں جب حضرت والدصاحب قدّس سرّہٗ پاکستان تشریف لائے تو یہاں کوئی با قاعدہ دینی درس گاہ نہیں تھی،اس لیے احقر کی ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی ۔ اس دوران والدہ صاحبہ(قدّس سرّہا)سے احقر نے "سیرت خاتم الانبیا ﷺ" اور "بہشتی گوہر" کا معتد بہ حصہ پڑھا اور یہی دو کتابیں میری اردو کی تعلیم کی کل کائنات تھی۔اس لحاظ سے حرف شناسی کی جو مقدار احقر کے پاس ہے،وہ بنیادی طور پر والدہ صاحبہ ہی کے واسطے سے ہے اور انہی کی مرہونِ منت ہے۔

(نقوشِ رفتگاں)

ادبی ذوق کی شمع

اگر ہم اپنے ادب کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں تو آپ کو اپنی قوم کے بچے بچے کے دل میں ادبی ذوق کی شمع فروزاں کرنی ہوگی کہ اسی طرح ادب کا حلقہ وسیع ہو سکتا ہے اور اس کی ترقی کے لیے زمین ہموار ہو سکتی ہے اور یہ بات صرف ادب اور ادیبوں ہی کے فائدے کے لیے نہیں ہے۔پوری زندگی کا مفاد اس سے وابستہ ہے،کیوں کہ ادب انسانیت سکھاتا ہے۔

(ڈاکٹر عبادت بریلوی،اردو ادب کی موت)

آپ کے اشعار

میری گھٹی میں پڑی تھی ہو کے حل اردو زباں
جو بھی میں کہتا گیا، حسنِ بیاں بنتا گیا

شاعر: تعلی

بات کرنے کا حسیں طور طریقہ سیکھا
ہم نے اردو کے بہانے سے سلیقہ سیکھا

شاعر: منیش شکلا

اردو کی گود میں ہم پَل کر بڑے ہوئے ہیں
سوجان سے ہم کو پیاری، اردو زباں ہماری
مٹ جائیں گے، مگر ہم مٹنے نہ دیں گے اس کو
ہے جان و دِل سے پیاری، ہم کو زباں ہماری

اختر شیرانی

نہ بجھا ہے نہ بجھے گا یہ چراغِ اُردو
آج ہم دوشِ ثریا ہے دماغِ اردو
بو الہوس پائیں گے کیا خاک سراغِ اردو
سدا لہلہائے اسی طرح یہ باغِ اُردو

ڈاکٹر دِل حسینی

اردو کا نام

اب یہاں دیکھنا چاہیے کہ اردو کا تسمیہ کیوں کر شروع ہوا ۔اردو کے متعلق سب سے پہلا تذکرہ میر اَمّن نے کیا میر اَمّن کو کلکتے میں جان گلکرسٹ نے بلایا،تا کہ اس طرح کی چیزیں تیا ر کی جائیں،جو عام بول چال میں ہوں،چناں چہ فورٹ ولیم کالج میں ایک نیا گروپ بنایا گیا ۔ اسی سلسلے میں شیر علی افسوس وغیرہ بھی بلائے گئے اور باغ و بہار لکھی گئی۔

میر اَمن نے جو کام کیا ،وہ عجیب و غریب ہے۔اس وقت صاف اور سلیس زبان کا نمونہ پیش کرنا ،جو دریا کی طرح رواں ہو،بہت دشوار تھا،کیوں کہ زبان ہنوز صاف نہیں ہوتی تھی ۔ اس وقت بھی کہ اردو ارتقا کی کئی منزلیں طے کر چکی ہے،چہار درویش اپنی جگہ پر قائم ہے اور شاید ہمیشہ قائم رہے گا۔

بادشاہ اور اُمرا کا بڑا حصہ لشکری امور میں بسر ہوتا تھا۔یہاں کیمپ کی زندگی کے جو معنی ہیں ، وہی معنی اردو کے بھی تھے۔ لشکری زندگی ، دائمی زندگی کی سی ہو گئی تھی۔لشکر کی زبان ،چوں کہ عام زبان سے ٹکسالی تھی ،اس لیے آہستہ آہستہ یہ تصوّر پیدا ہوتا گیا کہ جو زبان زیادہ ٹکسالی اور فصیح ہوتی ہے ،وہ اردو کی زبان کہلاتی ،کیوں کہ اس زبان میں اور گلیوں کی زبان میں بہت فرق ہوتا اور عام طور پر یہ سمجھا جاتا کہ شُستہ بولی فقط اردو میں پائی جائے گی۔

دلّی میں ایک اردو بازار بھی تھا اور قلعہ کے باہر سب سے شان دار بازار وہی تھا۔بہت ممکن ہے ،وہ جو اردو بازار تھا ،اس کے معنی یہ ہوں کہ وہ اردو کا بازار تھااور اردو سے مقصد غالباً زبان کی زیادہ شائستہ حالت تھی۔

انشاء اور قتیل دونوں نے "دریائے لطافت" لکھی ہے۔"دریائے لطافت" ہی ایک ایسی کتاب ہے،جو معلومات کا بہت قیمتی ذریعہ ہے۔دریائے لطافت میں انشاء نے زبان کے بہت سے نمونے پیش کیے ہیں،جن میں علامہ تفضّل حسین وغیرہ کا نمونہ خاص دلچسپی اور اہمیت رکھتا ہے۔

یہی وہ کڑی ہے ،جہاں قدرتی طور پر شاعری اور تعلیم کے اثر سے یہ زبان فارسی سے بہت متاثرہوگئی ہے۔ٹھیٹ اردو(یعنی خالص اردو) کا مقصد اب یہ رہ گیا ہے کہ وہ زبان ،جس میں فارسی اور عربی تراکیب کا اثر کم ہو اور وہ عام بول چال کی زبان ہو ۔وہ زبان جو فارسی رس اور فارسی مصادر میں ڈوبی ہوئی ہے،وہ علمی زبان ہے اور وہ زبان جو بول چال کی زبان ہے، ٹھیٹ ہے،یہ اردو،فارسی کی تراکیب سے تقریباً خالی ہے۔

(خطباتِ آزاد)

باتیں آپ کی

اردو کی ترویج اور ماہ نامہ فہمِ دین

خط : جناب مدیرِ اعلیٰ صاحب ! آپ کا شمارہ ”فہمِ دین“ ایک بُک اسٹال پر میری نظر سے گزرا تو اس کے نام سے متاثر ہو کر میں نے اس کو خریدا اور پڑھا۔ اس رسالے کا سرورق بہت ہی خوب ہے۔ اس میں ”باورچی خانہ اور ہماری صحت“ مجھے بہت پسند آیا‘ کیوں کہ اس سے معلومات میں بھی بہت اضافہ ہوتا ہے اور ساتھ ہی بہت سے فائدے بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔ یہ رسالہ نہ صرف بڑوں کا‘ بل کہ بچوں کا بھی بہت پسندیدہ ہے‘ کیوں کہ اس میں بچوں کے لیے ”ایک حرف‘ ایک کہانی“ شائع ہوتی ہے‘ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ آج کل کے بچے جو اردو سے دور ہوتے جا رہے ہیں‘ ایسی تفریح سے بھرپور کہانیاں پڑھ کے ان کی اُردو سے رغبت بڑھتی جا رہی ہے۔

مرسلہ : سیدہ فضّہ زہرا‘ کراچی

خط : محترم و مکرم مدیر صاحب ! ماہنامہ فہمِ دین نومبر 2015 پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ تزئین و آرائش نہایت عمدہ اور مفید تھی۔ سب سے پہلے میں نے ”فہمِ دین کا اقبال“ پڑھا‘ جسے پڑھنے سے میرے علم میں اضافہ ہوا۔ پھر فہمِ حدیث پڑھا تو میری دینی معلومات میں اضافہ ہوا۔ پھر آئینہ زندگی پڑھا تو مجھے کام یابی کی حقیقی منزل کا اندازہ ہوا‘ یہ میرے لیے بہت مفید اور کار آمد تھا۔ پھر میں نے ”مسائل پوچھیں اور سیکھیں“ کا بغورِ فکر مطالعہ کیا۔ آپ کے رسالے کا یہ موضوع نہایت عمدہ اور مفید ہے۔ سب سے دلچسپ موضوع ”خان پور کے خربوزے“ تھا‘ جو بہت پُر لطف اور بامزہ تھا۔ آپ کے تمام قلم کار اپنی اپنی خدمات بہت عمدہ اور مفید طریقے سے سر انجام دے رہے ہیں‘ لیکن آپ کے رسالے کے صفحات بہت کم ہیں۔ اس میں ضرور اضافہ کر دیں‘ تا کہ ہم اس سے اور بھی زیادہ لطف اندوز ہو سکیں۔ مرسلہ : رِمشا شہزادی

جواب : ایسا لگتا ہے کہ آپ کو ہمارا رسالہ کسی سہیلی کے گھر یا کسی نمائش میں پڑھنے کو ملا ہے‘ ورنہ کم سے کم کسی بک اسٹال پر تو ہمارا 2015 کا شمارا ابھی دستیاب نہیں ہوگا‘ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ پڑھنے کو ملا تو سہی اور آپ کو پسند بھی آیا۔ باقی رہا آپ کا آخری شکوہ تو ان شاء اللہ ! اب وہ آپ کو اتنا دُبلا پتلا نہیں لگے گا۔

ایس ایم ایس : حذیفہ رفیق کی ”قابلِ اقتدا ہستیاں“ کے بغیر ماہ نامہ فہمِ دین سُونا سُونا لگتا ہے۔

مرسلہ : اہلیہ آفتاب‘ کراچی

ایس ایم ایس : آپ کا فہمِ دین کا شمارہ بہت پسند آیا۔ اللہ مزید ترقی دے۔ آمین !

مرسلہ : فاطمہ طارق کراچی

ایس ایم ایس : السلام علیکم ! مدیر کی تحریر ہمیشہ کی طرح سے عمدہ لگی‘ لیکن اپنی جگہ بدل کر۔ انٹرویو پڑھ کر ایسا لگا کہ شاید تحریروں کی کمی کی وجہ سے صفحات پورے کرنے کے لیے اسے شائع کیا گیا ہے‘ جب کہ اس سے کئی گُنا اچھی تحریریں ”ردی کی ٹوکری“ کی مہمان بنتی ہیں۔ صفحات کی تعداد بڑھانے پر خوشی ہوئی‘ لیکن کسی خاص سلسلے کا اضافہ نظر نہیں آیا۔ البتہ بزمِ ادب کا ایک صفحہ کم ہو گیا۔ دعا ہے اللہ پاک آپ حضرات کو مزید ترقی عطا فرمائے۔ آمین ! مرسلہ : محمد عمار صدیق‘ کراچی

جواب : عزیزِ مَن ! یہ نظر نظر کا فرق ہے‘ یا آپ کو ”ردی کی ٹوکری“ میں اپنی کوئی اچھی تحریر یاد آ رہی ہے جو ”انٹرویو“ کو دیکھ کر آپ کے ”دل کے پھپھولے“ جل اٹھے۔ دوسرا عمار بھائی یہ تو کامن سینس کی بات ہے کہ رسالے کے صفحات زیادہ ہوں‘ پھر بھی بزمِ ادب کا صفحہ ایک کم کرنے کی ضرورت پیش آئے تو اس کا مطلب ہے کہ سلسلے زیادہ ہوئے ہیں۔ یہ پھر نظر نظر کا فرق ہو گیا۔ نئے سلسلوں میں ایک تو یہی ہے ”باتیں آپ کی“ دوسرا مشہور سلسلہ ”موج تبسم“ کا شروع ہوا ہے

HAJJ & UMRA
LUXURY & ECONOMY PACKAGES

UMRAH BOOKINGS
START NOW!

Domestic & International Ticketing
Tour Packages
Hotel Bookings
Visa Services

Al Ghaffar Travel
AGT
SINCE 1980

HEAD OFFICE
Al Ghaffar Travel Agency,
Office No.1,
Business Centre,
Mumtaz Hasan Road,
Off I.I. Chundrigar Road,
Karachi - Pakistan.

PHONE
+92 21 32431731 - 35

KARACHI
+92 300 2390512
+92 321 2400479

LAHORE
+92 321 5295069
+92 321 4205533

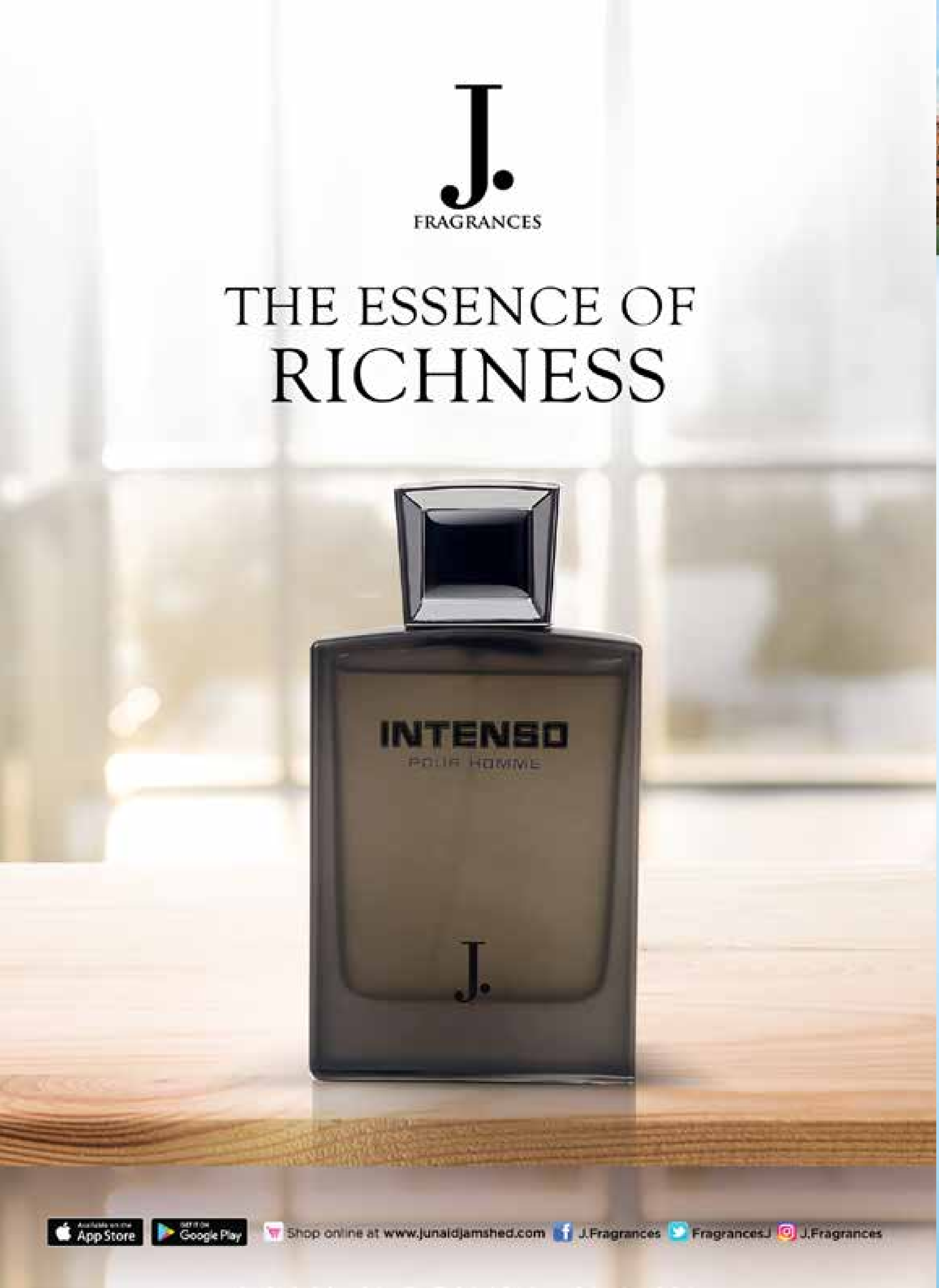

بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ کی دینی تعلیمی
اور رفاہی خدمات کی جائزہ رپورٹ

اخبار السلام

جنوری 2018ء بمطابق ربیع الثانی 1439ھ

جامعہ بیت السلام کے طالب علم کی مسابقہ فی التجوید میں دوسری پوزیشن

کل کراچی مسابقے میں حافظ محمد رضوان قاسمی نے دوسری پوزیشن حاصل کی، 75 ہزار روپے نقد انعام ملا

کراچی (پ ر) کل کراچی مسابقہ فی التجوید میں جامعہ بیت السلام نے دوسری پوزیشن حاصل کی‘ حافظ محمد رضوان قاسمی کو دوسری پوزیشن حاصل کرنے پر 75ہزار روپے انعام دیا گیا‘ مسابقے میں کل 17 طلبہ نے شرکت کی‘اس مسابقے میں ہر مدرسے سے ایک طالب علم کی شرکت ہو سکتی تھی‘ منصفین (جج حضرات) حضرت قاری احمد میاں تھانوی ‘قاری عبدالرحمٰن رحیمی (ملتان) اور قاری رشید احمد تھانوی تھے۔ حضرات منصفین نے تمام ہی طلبہ کی تلاوت کی تعریف کی اور ان کی لیاقت و قابلیت کو سراہا۔

کراچی: عالمی کتب میلہ، بیت السلام پبلی کیشن اسٹال، ہزاروں افراد کا وزٹ

پانچوں روز زندگی کے تمام ہی شعبہ جات سے تعلق رکھنے والی چیدہ چیدہ شخصیات نے بھی اسٹال کا دورہ کیا

کراچی (نمائندہ خصوصی) ایکسپو سینٹر کراچی میں ہونے والے تیرہویں عالمی کتب میلے میں بیت السلام پبلی کیشن نے اس سال بھی اسٹال لگایا‘ جو 7 سے 11 دسمبر تک پانچوں دن جاری رہا‘ اس دوران ہزارہا لوگوں نے بیت السلام کے اسٹال کا وزٹ کیا‘ جن میں زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والی نمایاں شخصیات شامل ہیں

بیت السلام اولمپیاڈ 2018ء تیاریاں عروج پہ، ایونٹ دو ہفتے جاری رہے گا

15 جنوری سے شروع ہونے والے مقابلوں میں بیسیوں معروف دینی اور عصری تعلیمی ادارے شرکت کریں گے

کراچی (نمائندہ خصوصی) گزشتہ سال کی طرح اس سال بھی بیت السلام اولمپیاڈ کا ایونٹ کا انعقاد ہونے جا رہا ہے‘ جو 15 جنوری سے شروع ہو گا اور دو ہفتے جاری رہے گا‘ میزبانی اس بار بھی انٹیلیکٹ اسکول کرے گا‘ جس میں کراچی کے مشہور و معروف بیسیوں تعلیمی ادارے شریک ہوں گے‘ متعدد اسپورٹس اور اکیڈمک سطح پہ یہ مقابلے منعقد ہوں گے‘ حسب سابق اس بار بھی متعدد ادارے اسپانسر بننے کے لیے کوشاں ہیں۔

شام: ہزاروں متاثرین بیت السلام کی خیمہ بستی منتقل ہو گئے

واٹر پروف خیمے نصب کیے گئے، امدادی سامان میں خیموں کے ساتھ ساتھ کمبل، سلیپنگ بیگ اور جوتے شامل ہیں

انقرہ+کراچی (پ ر) بیت السلام خیمہ بستی کے لیے کراچی سے بھیجے جانے والے واٹر پروف خیمے ترکی پہنچنے کے بعد ان کی تنصیب شروع کر دی گئی ہے۔‘ خیموں کی تنصیب کے ساتھ ہی متاثرین ان میں منتقل ہونا شروع ہو گئے‘ یہ خیمے آفاد اور دیانت کے توسط سے بھیجے گئے ہیں‘ علاوہ ازیں خیمہ بستی میں موجود متاثرین میں کمبل‘ سلیپنگ بیگ اور جوتے تقسیم کے جا رہے ہیں۔

شام: خلیفہ سلطان عبدالحمید اسکول بیت السلام چلا رہا ہے

اسکول کے انتظامی امور دیانت فاؤنڈیشن اور اخراجات بیت السلام کے ذمے ہیں

تین سو سے زیادہ طلبہ زیر تعلیم ہیں، حال ہی میں ٹرسٹ کے وفد نے اسکول کا دورہ کیا

انقرہ + کراچی (‘ نمائندہ و نامہ نگار خصوصی) خلافت عثمانیہ کے آخری خلیفہ سلطان عبد الحمید الثانی سے موسوم شام میں واقع اسکول ترک رفاہی ادارے دیانت فائونڈیشن کے تعاون سے بیت السلام چلا رہا ہے۔ اس اسکول میں تین سو سے زیادہ طلبہ و طالبات زیر تعلیم ہیں‘ حال ہی میں بیت السلام کے ایک انتظامی وفد نے اسکول کا تفصیلی دورہ کیا‘ رائج انتظام کا معائنہ کیا‘ اسکول میں انگلش ٹیچر نے ٹرسٹ کے وفد کو اسکول کے نظم سے متعلق تفصیلات بتائیں‘ یاد رہے سلطان عبد الحمید الثانی آخری خلیفہ تھے وہ 19 نومبر 1922ء سے 3 مارچ 1924ء تک خلیفہ رہے

Brighto™
Inspired by Nature
Regd. # MC-1366
Brighto
STAIN FREE
EASY WIPE
اب دیواریں رہیں
صاف شفاف
بِنا رنگ اُڑائے!
Brighto PAINTS
brighto.paints | Toll Free 08000-1973 | www.brightopaints.com